وہ مردِ مجاہد

جناب مولانا قاری سید محمد احسن صاحب قاسمیؒ

بانی

جامعہ اسلامیہ خیرآباد سلطانپور، یوپی

و

جامعہ تجوید الفرقان آزادنگر، سول لائنس، فتحپور

مجاز بیعت

شیخ المشائخ پیر طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب، دام فیوضکم

مرتب

محمود حسن غازی قاسمی

ناشر

الاحسن ایجوکیشنل سوسائٹی، فتحپور

Mobile : 9415186153

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	تاثرات	مولانا محمود حسن غازی قاسمی	3 - 6
۲	مختصر سوانح حیات	مولانا محمود حسن غازی قاسمی	7 - 23
۳	ایک بااثر باکمال شخصیت	مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب دامت برکاتہم امام الہ آباد یونیورسٹی مسجد	24 - 27
۴	جو بڑے تھے ہمارے گئے	مولانا عبد العلی فاروقی صاحب ناظم دار العلوم فاروقیہ لکھنو	28 - 32
۵	حسن اخلاق کے پیکر	مولانا محمد حسن قاسمی صاحب بانی ادارہ تعلیم القرآن، الہ آباد	33 - 34
۶	تعزیت نامہ	مولانا محمد عثمان صاحب قاسمی ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ، سلطانپور	35 - 36
۷	نواہی پر نکیر انکی مخاطب خاص وعام انکا	قاضی محمد قسیم صاحب قاسمی امام جامع مسجد بیبیا سلطانپور	37
۸	قاری صاحبؒ کی سماجی خدمات	حافظ مطہر السلام صدر جمیعتہ العلماء سلطانپور	38 - 40
۹	ایک ہمدرد مربی	مولانا محمد زبیر قاسمی، مریاڈیہہ خادم التدریس مدرسہ عربیہ بیت المعارف، الہ آباد	41 - 43
۱۰	آہ شارح مشکوٰۃ فتحپوریؒ	مولانا مقصود احمد صاحب قاسمی خادم التدریس مدرسہ عربیہ بیت المعارف، الہ آباد	44 - 50
۱۱	حضرت مولانا سید محمد احسن صاحبؒ بحیثیت مصنف	مولانا عبد المعید صاحب قاسمی صدر جمیعت العلماء، فتح پور	51 - 55
۱۲	گلشن احسن کے پھول اور کلیاں	مولانا عبد الکبیر فاروقی استاذ معہد ندوۃ العلماء لکھنو	56 - 63

تاثرات

رات تقریباً ڈیڑھ بجے اچانک اندرونی دروازے پر دستک ہوئی فوراً آنکھ کھل گئی آگے بڑھا اور دروازہ کھول دیا، دیکھا تو میرے چوتھے نمبر کا بیٹا احقر زادہ سعید حسن عاصم اترے چہرے کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا پوچھنے پر بھی وہ کچھ بول نہ سکا گم سم کھڑا رہا میں نے سمجھا کی شاید اچانک سر میں درد اٹھا ہے اور درد سے بے قرار ہو کر دوا لینے آیا ہے ابھی میں اسی سوچ میں مجسمہ سوال بنا کھڑا تھا کہ اچانک اس نے بڑے ہی دھیمے رُندھے ہوئے لہجہ میں بتلایا کہ دادا کا انتقال ہو گیا ہے اور کچھ دیر پہلے ہی میرے بھتیجوں کا فون اس کے پاس آیا ہے۔

اچانک امیدوں کے سارے قلعے چکنا چور ہو گئے قلعے کی جگہ گرد و غبار نے لے لی، امیدوں کی جگہ نا امیدی نے ڈیرا ڈال دیا۔ دل کو سنبھالنے میں زیادہ دقت نہیں آئی کیونکہ جب میں نے تقریباً تین مہینہ پہلے ہوئے پروسٹیٹ کے آپریشن کے بعد اچانک کولھے کی ہڈی ٹوٹنے کی خبر سنی اور میری آنکھوں نے والد محترم کو نہایت کرب کے عالم میں بستر پر پڑے دیکھا تو پرواز تخیل اور پرندۂ فکر، مجھے اس عالم تصور میں لے گیا جہاں میں نے دیکھا کہ ایک شخص اس حالت میں لیٹا ہے کہ اس کے ہاتھ پیروں کی طاقت ختم ہو چکی ہے وہ چاہ کر بھی نہ بیٹھ سکتا ہے نہ اٹھ سکتا ہے اور کھانے پینے کے لئے دوسروں کا محتاج ہو گیا ہے حتی کہ قضائے حاجات کے لے بھی وہ اپنے پیروں سے نہیں جا سکتا ہے، جیسے ہی میں نے اس عالم تصور میں خودداری کے پیکر کی بے چارگی سے پر، آواز شکایت سنی بے ساختہ میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

ساڑھے تین مہینہ، میں امید و نا امیدی کے مختلف مراحل آتے رہے اور زندگی آگے بڑھتی رہی اس عرصے میں ایسا لگا کہ والد محترم کو بھی دھیرے دھیرے احساس ہونے لگا ہے اور کبھی کبھی درد بھری آواز سے کہتے بھی: میرا معاملہ خراب ہو گیا ہے، کیا میں اچھا نہ ہو پاؤں گا؟ کیا میں اکیلا ہی بوڑھا ہوں میرے شیخ تو مجھ سے بھی زیادہ بوڑھے ہیں انکی کمزوری تو ایسی نہیں ہے کہ صاحب فراش بنا دے کیا کوئی ڈھنگ کا ڈاکٹر نہیں ہے جو مجھے ٹھیک کر دے۔ جبکہ حقیقی صورتحال یہ تھی کہ

ایک دو نہیں کئی ڈاکٹر کے مہارتوں اور تجربوں کی روشنی میں علاج چل رہا تھا مگر درد کی تکالیف نے والد محترم کا پیچھا نہ چھوڑا۔ درد کو ختم کرنے والی دوائیں بھی بے اثر ہو گئیں تو انجکشن کا سہارا لیا گیا مگر ساتھ ہی خدشات کی آندھیوں نے چلنا شروع کر دیا ڈر و خوف کے طوفانوں نے پیچھا پکڑ لیا کہ کہیں درد کی دوائیں گردے و جگر پر حملہ نہ کر دیں۔ انکی بہت ہی اہم ذمہ داری میں خلل نہ ڈالدیں۔ چنانچہ جس کا ڈر تھا وہی ہوا ۔انتقال سے دو دن پہلے خبر آئی کہ پیروں میں سوجن آگئی ہے اس لئے ڈاکٹر کے مشورے پر گردے کی جانچ کروانا طے ہوا ہے۔ رپورٹ حسب توقع اس شکل میں سامنے آئی کہ Blood Urea اور W.B.C. کافی بڑھ گیا ہے جو مرض کا نہایت خطرناک مرحلہ ہے ڈاکٹروں کے مشورے سے الہ آباد میں کسی گردے کے اسپیشلسٹ سے علاج کرانا طے ہوا حسب پروگرام ڈاکٹر اور وقت کی تعین بھی ہوگئی۔ اچانک امیدوں کے پر لگ گئے۔ دل میں توقع کی شمع روشن ہوگئی کہ اب انشاءاللہ ابو کی صحت واپس آجائے گی۔ ابو کی شفقت بھری ڈانٹ اور محبت بھری نصیحت کے دن واپس آجائیں گے لیکن فیصلہ خداوندی یہ ہوا کہ زندگی بھر کی بھاگ دوڑ، جدو جہد اور دعوت وعبادت کے لئے اپنے دربار میں بلا کر انعامات کی بارش کی جائے ان کے دل کو خوش کر دیا جائے اور آرام کرنے کا موقع دیا جائے ظاہر ہے کہ اللہ کے اس فیصلہ سے کون ناخوش ہوسکتا ہے۔ رہی بات آنکھ اور دل کی تو یہ کب عقل وفہم، عبرت و نصیحت کی بہت زیادہ پابندی کرتی ہیں ان کے اپنی بادشاہی ہے جب فرمان شاہی ہو مجال ہے کہ آپ آنسوؤں کے سیل رواں پر بند ھ باندھ لیں اور قلب کو عقل کی مکمل پاسداری پر تیار کر لیں۔ سو انکی بادشاہت کے تحت دل غم سے بھر جاتا۔ آنکھ سے آنسو روان ہو جاتے لیکن عقل کے قلمرو اور بادشاہت میں مکمل اطمنان تھا، سکون تھا خوشی تھی کہ میرے ابو کو اب زندگی بھر کے امتحان و آزمائش کا ایسا انعام ملے گا کہ ابو خوش ہو جائیں گے۔ سو جس پر ابو خوش ہم بھی خوش، جس پر اللہ راضی ہم بھی راضی۔

علماء سے محبت کرنے والے دین داروں کی قدر کرنے والے نوشاد احمد صاحب نے ٹرانسپورٹ کا نظام سنبھالا اور آناً فاناً دو بسوں اور گاڑیوں کا نظم کیا، نماز

جنازہ وصیت کے مطابق احقر نے ماتن یور میں پڑھائی سلطان پور، لکھنو اور الہ آباد سے پروانوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہوا تو اس کوردہ دیہات نے جو شاہراہ عام سے تقریباً پانچ کلومٹر دور لب دریائے گنگا آباد ہے پہلی مرتبہ اپنے دامن میں علماء اور حُفاظ کا ایسا مجمع دیکھا جو ایک مقبول بندے کے لئے بارگاہ رب العزت میں محو سفارش ہے۔ تدفین کے معاً بعد احقر نے دیکھا کہ کچھ لوگ الوداعی ملاقات کر کے رخصت ہونا چاہتے ہیں تو میں نے مجمع میں مختصر الفاظ میں عرض کیا کہ تدفین کے بعد بھی کچھ مسنون اعمال ہیں جنھیں قبر کے پاس انجام دینا باعث ثواب اور میت کے لئے ایمان پر استقامت کا سبب ہیں تو فرض کی ادائیگی کے بعد سنت سے بے پروائی ہرگز مناسب نہیں اور حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ سرہانے سورہ بقرہ کی شروع کی آیتیں اور پائتانے سور بقرہ کی آخری آیتیں تلاوت کی جائیں اور کچھ دیر ٹھر کر میت کے لئے قبر میں ثابت قدمی اور مغفرت کی دعا کی جائے۔ تدفین کے بعد میری آنکھوں نے دیکھا کہ قبر کافی اونچی اور چوڑی ہوگئی ہے۔ دیکھ کر طبیعت بے چین ہوئی عقل اس بے چینی کا حل تلاش کر رہی تھی کہ اچانک محترمی مولانا عثمان صاحب ناظم مدرسہ جامعہ اسلامیہ سلطان پور نمودار ہوئے جنھیں ہم نے زندگی بھر پیار سے (بڑکا بھیا) کہا۔ اور یوں گویا ہوئے۔ افسوس! افسوس! توبہ! توبہ! اتنی اونچی اور چوڑی قبر بالکل سنت کے برخلاف۔ لوگوں کو ہوش آیا اور پھر وہ سنت کے مطابق اس کا حلیہ درست کرنے میں لگ گئے۔

دوسرا دن طلوع ہوا، بدلا بدلا سا! روٹھا روٹھا سا! نہ کمرے میں اپنی نشست گاہ پر ابو تھے اور نہ ہی آرام گاہ میں دراز، سب کچھ ختم۔ پورا کمرہ خالی خالی۔ جیسے کہ زبان حال سے اپنے مکیں کا حال چال پوچھ رہا ہو، کہ اے آنے والو بتاؤ کہا ہے وہ شخص؟ جو میرے جلو میں بیٹھ کر رات کے اندھیروں میں اللہ کو یاد کرتا تھا صبح کو رب ذوالجلال کے ذکر سے میرے ماحول کو معطر کر دیتا تھا قرآن مقدس کی تلاوت سے پورے کمرے کو منور کر دیتا تھا غرض جب دل بے قرار ہو گیا تو اسکی راحت کے لئے ہم لوگوں نے ایک بار پھر ماتن پور کا رخ کیا تا کہ والد محترم کے لئے اُنسیت

کا سامان فراہم کریں اور خود کے لئے دلبستگی کا۔ والد محترم کی خدمت میں ہدیہ محبت اور تعلق کے طور پر ہم شہر ہی سے ایصال ثواب کر سکتے تھے لیکن محبت کا تقاضہ ہے کہ ہدیہ بہ نفس نفیس ممدوح کی خدمت میں پیش کیا جائے، چنانچہ ہم والد محترم کی تربت پر حاضر ہوئے، ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کے ذریعہ ہم نے عالم تصور میں ملاقات کا شرف حاصل کیا جبکہ دوسری جانب عالم ارواح میں والد محترم اپنے وفات شدہ متعلقین ومحبوبین سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ (السلسۃ الصّحیحہ) صحیح حدیثوں میں وارد ہے کہ انتقال کے بعد اچھی روحیں عالم ارواح میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہیں اور اپنے متعلقین کا حال چال پوچھتی ہیں جب جانے والی نئی روح انکو بتلاتی ہے کہ ان کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے تو انھیں افسوس ہوتا ہے کیونکہ اچھی روحوں سے ملاقات کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں سجّین میں قید کر دیا گیا ہے۔

مختصر سوانح حیات

خاندانی پس منظر: والد صاحب کی زبانی اکثر سنا کہ ہم لوگ خاندان حسینؓ کی مشہور شخصیت حضرت موسیٰ کاظمؒ کی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی وجہ سے ہمارا خاندان خطہ عرب سے ہجرت کر کے دلی کے قریب قصبہ نارنوال میں آبسا۔ اس کے بعد نا معلوم وجوہات کی بنا پر خاندان کی ایک شاخ ضلع فتح پور کے قصبہ ایرایاں میں آبسی پھر والد محترم بتلاتے ہیں کہ میرے دادا امجد علی مرحوم کسی وجہ سے قریبی گاؤں اوحد پور آ گئے اور وہیں کھیتی باڑی میں مشغول ہو گئے لیکن جب تجارت کا شوق ہوا تو گاؤں کی زمین جو تقریباً ۳۰ر (تیس) بیگھا تھی کسی کو بٹائی پر دے کر کلکتہ چلے گئے۔ امجد علی مرحوم کے تین بیٹے تھے جمیل احمد، عابد علی اور محمد حسین۔ جمیل احمد لاولد تھے جبکہ محمد حسین کے دو بیٹے ہوئے ایک احمد حسین جو ہمارے بڑے ابا ہوتے ہیں اور دوسرے میرے والد محمد احسن صاحب۔ ہمارے پردادا مرحوم کی تجارت کلکتہ میں خوب پھلی پولی یہانتک کہ کئی دوکانوں کے آپ مالک ہو گئے کچھ دنوں بعد جب ان کا انتقال ہو تو دادا مرحوم اپنے بھائی کی مدد کے لئے کلکتہ گئے لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جس نے دادا مرحوم کو کلکتہ خیر باد کہنے پر مجبور کر دیا۔ ہوا یوں کہ کپڑے کی دوکان پر دادا مرحوم بیٹھے تھے کوئی شخص کپڑا خریدنے کے بعد کھوٹی چونی دے گیا دادا مرحوم نے اسے ضائع کرنا چاہا تا کہ دوسروں کو دھوکہ دینے کا ذریعہ ہی ختم ہو جائے لیکن ان کے بھائی جمیل احمد مرحوم نے انھیں روک دیا مزید یہ بھی کہا کہ یہ مولوی گیری دوکان پر نہیں چلے گی کسی نے ہم کو دیا ہے تو ہم اسے دوسروں کو دیدیں گے۔ دادا مرحوم ان جملوں سے ناراض ہو کر ماتن پور آ گئے۔ ماتن پور والد محترم کا ننھیال ہے۔ اسی جگہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ ننھیالی خاندان کا تعلق بھی شرفائے عرب کے قبیلے سے تھا والد محترم کے نانا کا نام حامد علی تھا ان کی آل واولاد میں ایک دو عالم نہیں بلکہ ایک جماعت علماء حفاظ کی تیار ہو گئی ہے، جنھوں نے ماتن پور جیسے چھوٹے گاؤں کی خوشبو اطراف اکناف میں ہر طرف پھیلا دی، مولانا رضاء العلی صاحبؒ مولانا محمد ابو بکر صاحبؒ، مولانا محمد حسن صاحب دامت برکاتھم

جیسے جید اور شہرت یافتہ علماء کا تعلق اسی خانوادے سے ہے، والد محترم کا ننھیالی نسب اس طور پر ہے محمد احسن ولد عزیز النساء بنت حامد علی ولد شوکت علی ولد غلام رسول ولد امام بخش ولد رجب علی رحمت اللہ علیہم۔

دادا مرحوم جو کہ درجہ مولوی تک کی صلاحیت رکھتے تھے حضرت تھانوی سے غائبانہ تعلق رکھتے تھے۔ شہر فتحپور کی معتبر علمی شخصیت جناب محمد اسمعیل صاحب آزاد جو والد صاحب کے ساتھیوں میں سے ہیں انکی گواہی کے مطابق دادا مرحوم معتبر حیثیت کے مالک، علم کے قدرداں، علماء سے محبت کرنے والے تھے۔ مدرسہ اسلامیہ فتح پور (جہاں اس زمانے میں قاری صدیق صاحب بھی بہ حیثیت مدرس خدمات انجام دے رہے تھے) سے خاص تعلق رکھتے تھے اخلاقی اور مالی تعاون میں بھی پیش پیش رہتے۔ حضرت باندویؒ سے دوستانہ تعلقات تھے انھیں وجوہات کی بنا پر مشرب تھانوی کے مطابق والد مرحوم کی پرورش کی اور ۱۵ رسال کی عمر میں مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں بغرض تعلیم داخل کر دیا۔ والد محترم کا داخلہ غالباً درجہ چار میں ہوا۔ اور جلد ہی ترقی پا کر درجہ فارسی میں داخل ہوئے، فتح پور میں مولانا معین الاسلام صاحب، مولانا عبدالحمید صاحب، مولانا عبد الوحید صاحب ولید پوری، مولانا نصرت علی صاحب اور مولانا قاری محمود علی صاحب شاہ جہاں پوری جیسے لائق فائق اساتذہ سے پانچ سال تک درجہ عالمیت کی کتابیں پڑھیں۔ والد صاحب اکثر بتلاتے تھے کہ میری تربیت میں مولانا قاری محمود علی صاحب، شاہجہاں پوری کا بہت بڑا کردار ہے ہم نے باصرار ان کی خدمتِ خصوصی کے فرائض انجام دئے جبکہ ان کے رعب کا یہ عالم تھا کہ کوئی دوسرا ان سے بے جھجک بات بھی نہ کر سکتا تھا۔ ابو کا یہ وہ دور تھا کہ مدرسہ کے مطبخ سے کھانے کے بجائے خود اپنے ہاتھ سے پکاتے اور پکانے کے لئے لکڑیاں گاؤں سے سر پر لاد کر لاتے۔ عبرت و نصیحت کا مقام ہے کہ آج جبکہ طلباء کا مزاج مدرسہ سے زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ اُٹھانا ہوتا ہے والد محترم تقریباً ۲۳ رکلومیٹر دور سے لکڑیاں لاتے کھانے پینے کا سارا انتظام خود کرتے اور خودداری و استغنائیت کو برقرار رکھتے۔ یہ استغنائیت کانپور میں بھی برقرار رہی جب پانچ سال

بعد دو سال کے لئے آپ کانپور آ گئے اور مفتی محمود حسن صاحبؒ گنگوہی سے شرف تلمذ حاصل کرے ہوئے جلالین اور مشکوۃ کے سال کی کتابیں پڑھیں البتہ یہاں پر لکڑیوں پر کھانہ پکانے کے بجائے پتھر کے کوئلے کی انگیٹھی پر کھانہ بناتے تھے غرض یہ وہ دور تھا کہ والد محترم نے بہت ہی سوجھ بوجھ اور کفایت شعاری سے زندگی گزاری حتیٰ کہ مہینہ کے خرچ سے کچھ بچا کر سائکل کا ایک پرزہ بھی خریدتے یہاں تک کہ جب سارے پرزے خرید چکے تو پھر آپ نے مکمل سائکل مستری سے بندھوا لی اس طرح آپ کفایت شعاری کی برکت سے ایک سائکل کے مالک ہو گئے جو اس زمانے میں ایک متوسط خاندان کے فرد کے لئے بڑی نعمت تھی یہ وہ دور تھا کہ والد صاحب بتلاتے تھے کہ کانپور کے سابقہ قاضی شہر مفتی منظور صاحبؒ مظاہری بھی میری سائکل لے کر امامت کے فرائض انجام دینے اپنی مسجد جایا کرتے تھے اسی سائکل سے آپ نے کانپور سے ایرایاں ضلع فتحپور کا سفر بھی کیا والد محترم اس سفر کے سبب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے تھے کہ چونکہ میرے پاس خاندان کا شجرہ نہیں تھا صرف پانچ نام محمد حسین بن امجد علی بن سعادت علی بن حسین بخش بن قادر بخش سے ہی واقفیت تھی اس لئے جب معلوم ہوا کہ ایرایاں کے متوطن جناب سید اکمل سعید صاحب عرف نیتا جی کے پاس خاندان کا شجرہ مل سکتا ہے تو میں سائکل ہی سے کانپور سے ایرایاں کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہاں جانے پر سعید صاحب نے عُذر پیش کیا کہ مکان کی مرمت میں شجرہ کہیں دب گیا ہے۔ اور بحمد للہ آج ۱۶/اپریل ۲۰۲۲ء کو احقر نے ان کے صاحبزادے جناب افسر سعید صاحب مقیم حال راجہ پور الہ آباد سے ملاقات کی، بڑی محبت سے ملے، اپنا شجرہ دکھایا اور ابتدائی بات چیت میں ہی والد صاحب کو اپنا رشتہ کا بھائی قرار دیا۔ والد صاحب کہتے تھے ان کا انکار نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ میرے آبا و اجداد کے نام ان کے شجرے میں تھے اور ان کا، انکار نہ کرنا ہی میرے لئے شرعی دلیل کے طور پر کافی ہے (مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی بھی یہی رائے ہے کہ اگر کسی کے پاس شجرہ نہ ہو تو مقامی بوڑھوں کا عدم انکار دعویٰ کے لئے کافی ہے)

۱۹۵۷ء میں والد محترم دار العلوم دیو بند کا رخ کرتے ہیں اور ۱۹۵۸ء میں فضیلت کی سند کے ساتھ کامیاب و کامران واپس آتے ہیں والد صاحب بتلاتے تھے اور میں نے بھی آپ کی سند میں دیکھا کہ کچھ حدیث کی کتابوں میں آپ کو ۵۰ نمبروں میں ۵۱ نمبر دئے گئے۔ دیو بند ہی میں آپ نے فن قرات کی تکمیل بھی کی۔ دیو بند کے ساتھیوں میں مولانا ریاست علی صاحب بجنوریؒ کا آپ اکثر تذکرہ کرتے اور بتلاتے کہ ہم سب کے زمانے میں مولانا فخر الدین صاحبؒ شیخ الحدیث تھے۔

سلطان پور آمد: والد صاحب سے حاصل معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان پور کے ایک زمین دار گھرانے کے چشم و چراغ مولانا عبد الماجد صاحب، سلطانپوری تھے۔ وہ والد محترم کے غالباً کانپور میں دور طالب علمی کے ساتھی تھے ان کے والد مولانا عبد الواحد صاحب تھے۔ وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نورانی مجلسوں سے استفادہ کرنے والے اور حضرت مولانا عیسیٰ صاحب (خلیفہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کے مجاز صحبت تھے۔ انکا ایک ذاتی مدرسہ انوار العلوم تھا اغلب یہ ہے کہ ان کو ایک مدرس کی ضرورت پڑی ہوگی تو مولانا عبد الماجد صاحب نے والد محترم کو فراغت کے فوراً بعد اپنے مدرسہ میں تدریسی خدمات کی پیشکش کی ہوگی جسے والد صاحبؒ، قبول کر کے سلطانپور آ گئے اور انوار العلوم میں پڑھانے لگے غالباً ڈیڑھ سال بعد ایک واقعہ پیش آیا جس کے بعد والد صاحب، مدرسہ سے علیٰحدہ ہو گئے اس درمیان امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ کے پوتے مولانا عبد الاول صاحب، جامع مسجد بیا کے پیش امام تھے انھیں جب پتہ چلا تو انھوں نے والد صاحب سے کہا مولانا! آپ یہیں سلطانپور میں ہمارے ساتھ رہیں اور جو دال روٹی ہم کھاتے ہیں آپ بھی کھائیں اور دونوں مل کر آئے ہوئے مہمانان رسول کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں گے۔ آگے کیا ہوا اس کی معلومات کے لئے اس خط کا اقتباس پیش خدمت ہے جس کو والد محترم نے صدر کمیٹی جامعہ اسلامیہ خیر آباد سلطانپور کو بھیجا تھا کہ اراکین شوریٰ کو اسکی کاپیاں فراہم کر دی جائیں خط میں تاریخ ۸ رجولائی ۲۰۱۷ء درج ہے۔

''یہ خاکسار چونکہ جامعہ کے وجود میں آنے سے پہلے جامع مسجد بیا میں امام مسجد مولانا عبدالاول کے ساتھ پانچ متعلمین عربی کو پڑھا رہا تھا جو نیپالی تھے اور مئو آئمہ، الہ آباد کے مدرسے سے ہم لوگوں کے پاس آئے تھے۔ اسی درمیان محمد کوثر نامی شیعہ کی خیر آباد کی ایک زمین کے برائے فروخت ہونے کا علم ہوا اور جناب محمد امین صدیقی کرانہ مرچینٹ، جناب محمد امین انصاری بساطی، جناب عبد الغفار پہلوان جناب عبد الحمید راعینی (ایڈوکیٹ) جناب عبد الاول مرحومین رحمہم اللہ معززین شہر سلطانپور نے زمین کی خریداری کا ارادہ کیا۔ ان معززین کا ایک ادنی خادم یہ ناکارہ محمد احسن قاسمی بھی تھا۔ اسکے بعد کی گوناگوں تفصیلات کو بغرض اختصار ذکر نہ کرتے ہوئے مفید ضروری تفصیلات سپرد قلم ہیں۔

مذکورہ زمین کی خریداری کا ارادہ ہی مستقبل کے عظیم ادارہ جامعہ اسلامیہ سلطانپور کی بناء تاسیس اور تعمیری سرگرمیوں کا مبارک آغاز ہے چنانچہ زمین کی خریداری کا معاملہ طے ہوا، بیعانہ دیا گیا بیعانہ کے لئے تاریخ کی تعیین ہوئی۔ لیکن بیعانہ کی مقررہ تاریخ کے آنے سے پہلے شیعہ مالک زمین کو غالباً ہمارے مقاصد کا علم ہو گیا اس نے مذکورہ افراد کے پاس نوٹس بھیجی کہ وقت مقررہ پر زمین کا بیعنامہ کرایئے ورنہ بیعنامہ کی رقم ضبط ہوگی۔ اس مضمون پر ہی غالباً مشتمل کوتوالی میں رپورٹ کی اور اس رپورٹ کے بعد خود رُوپوش ہو گیا تا کہ بیعنامہ اور اسکی رجسٹری کی تاریخ نکل جائے اور زمین کی فروخت پر ہم کو مجبور نہ ہونا پڑے بلکہ الزام ہماری جماعت پر آجائے اسکی طرف سے نوٹس ملے کے بعد اسکی بدنیتی کا ہماری جماعت کو احساس ہو گیا اور ہماری طرف سے بھی فوراً کوتوالی میں رپورٹ کی گئی۔ اور اس کو ہی اس رپورٹ کے بعد بہانہ بازی سے باز آکر زمین کا بیع نامہ اور رجسٹری پر مجبور ہونا پڑا۔

آگے لکھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس ناچیز کے نزدیک جامعہ اسلامیہ سلطانپور کا بانی کوئی ایک فرد ہے ہی نہیں نہ مولانا عبدالاول صاحب اور نہ یہ خاکسار محمد احسن قاسمی بلکہ ایک پوری جماعت ہے جسکے ارکان وکیل عبدالمجید، محمد امین صدیق کرانہ مرچنٹ، محمد امین بساطی عبد الغفار پہلوان، مولانا عبد الاول فاروقی لکھنوی مرحومین رحمۃ اللہ اور اس کے بعد دعوہ داران جامعہ کو اگر گوارہ ہو سکے تو یہ خاکسار محمد احسن قاسمی!۔ اس خاکسار کے مشاہدہ اور علم کے مطابق یہی جماعت بانیان جامعہ اسلامیہ سلطانپور ہے۔ خط کے صفحہ نمبر ۹ پر والد محترم رقمطراز ہیں۔

ڈیڑھ کروڑ کے بجٹ والے جامعہ کے آغاز کی بہت مختصر لیکن بہت ضروری تفصیلات برائے ملاحظہ مدعی اور مؤیدین کی معلومات کے لئے سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

اس سال بانس کی کوٹھیوں میں کوئی وبا آتی ہوئی تھی جسکی وجہ سے کوٹھی کے تمام بانس خشک ہو گئے تھے اور یہ وہ وقت تھا جب میرے اور مولانا عبدالاول صاحب کے درمیان یہ منصوبہ طے پا چکا تھا کہ بیامسجد میں اپنے زیر تعلیم پانچ بچوں کے ذریعہ جامعہ کے لئے خرید کردہ زمین کو آباد کیا جائے اور اس کے لئے میرے اور مولانا کے درمیان یہ طے ہوا کہ جامعہ کی زمین پر آباد ہونے کے لئے اس کے ایک حصہ کی زمین ہموار کر کے لیپ پوت کر قابل نشست بنانا چاہے اس سے پہلے میں دھرائیں کے جانب مشرق گاؤں جسکا نام غالباً، میر علی کا پُروا، اور بی بی گنج، ہے (نام ٹھیک سے یادنہیں)۔ جہاں بانس کی کوٹھیوں میں خشک بانس کافی مقدار میں موجود تھے۔ ان مواضعات میں گیا اور وہاں سے بانس (مفت یا بہت معمولی قیمت پر صحیح یادنہیں) حاصل کر کے بیل گاڑی پر لے کر آیا مئی کے مہینہ کے دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں جامعہ کے سامنے (جہاں اب اس کا صدر دروازہ ہے۔ بیل گاڑی کھڑی ہوئی اور میں اس دھوپ میں تنہا بانسوں کو گاڑی سے اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔ اتنے میں حاجی محمد ایوب مرحوم کی والدہ محترمہ حنیفہ مرحومہ نے مجھے اکیلے اس مشقت خیز کام میں دیکھکر اپنے لہجہ اور زبان میں تقریبا یوں کہا: ہوئے! دیکھتُ اَہا! کاری صاحب اتنے تیج گام ماا کیلے بانس اُتارَت آہیں،، یہ کہکر وہ میری مدد کے لئے آگئیں اور بانس میں نے ان کی مدد سے گاڑی سے اتار کر گاڑی کو خالی کر کے واپس کر دیا۔

اس کے بعد زمین کو ہموار کر کے قابل نشست بنانے کیلئے لیپنے پوتنے کی ضرورت تھی مولانا عبدالاول صاحبؒ نے کہا قاری صاحب! یہ کیسے ہوگا؟ مزدوری کیلئے ہم لوگوں کے پاس پیسے نہیں۔ میں نے کہا یہ کوئی دشوار مسئلہ نہیں! آپکو میرے ساتھ تھوڑی سی مشقت کرنی ہوگی اور کام انشاء اللہ ہو جائیگا اور اسکی شکل یہ ہے کہ عبد الودود صاحب راعینی کے مکان کے اندر جو کنواں ہے اسی سے پانی نکال کر لایا جائے اور زمین کو لیپ لاپ کر خود ہی قابل نشست بنالیا جائے۔ کنواں سے پانی نکالنے اور اسکو لانے کی شکل یہ ہے کہ چونکہ پانی کا کنویں سے نکالنا آپ کے لئے دشوار ہوگا اس لئے یہ کام میں کرتا ہوں اور آپ بالٹی سے پانی ڈھونے کا کام کریں

جسمیں میں بھی مدد کروں گا اور اس منظر کو موجود طلباء (جو بڑی عمروں کے تھے) دیکھ کر یقیناً شریک ہو جائیں گے اور ان کو اس کام میں شریک ہونے کو کہنا نہ پڑے گا۔ یہ ترکیب و عمل مولانا کو بھی پسند آئی اور حسب تجویز میں نے کنویں سے پانی نکالنا اور مولانا نے پانی کا ڈھونا شروع کیا اور بچوں نے جب یہ دیکھا تو حسب توقع نہایت خوشی کے ساتھ اس کام میں شریک ہو گئے اور پوری جماعت کیلئے پانی کنویں سے تنہا میں نکالتا رہا اور پانی تجویز کردہ زمین کے پاس پہنچتا رہا۔ یہاں تک کہ بقدر ضرورت پانی جمع ہو گیا اور زمین کو ہموار کر کے لیپ پوت کر قابل نشست بنا لیا گیا پھر اس پر دیہات سے لائے گئے مذکورہ بانسوں سے اور سرپت کے ذریعہ چھپر چھائے گئے (چھپر چھانے کی شکل اب یاد نہیں) اور اس طرح زمیں کا بقدر ضرورت اختیار کردہ وہ حصہ جسمیں اس وقت مہمان خانہ اور مغربی کمروں کا حصہ ہے۔ وہ چھپروں کے بعد سایہ دار قابل نشست ہو گیا۔ اور اس ناچیز اور مولانا نے اسپر بیٹھ کر تعلیم کا وہ مبارک آغاز کیا جو آج کا بقول عثمان صاحب، ہمارا ادارہ،، اور در حقیقت امت مسلمہ کے ایک عظیم ادارہ معروف بہ جامعہ اسلامیہ سلطان پور ہے۔

جامعہ کے آغاز کی مرقومہ بالا شکل حضرت حق جل بحدُہ کی توفیق سے ہوئی: فالحمد للہ علے ذالک و علے ھذا عمل الصعب والشاق حمداً کثیرا۔ مذکورہ بالا تفصیل میری معلومات کے مطابق ۱۹۶۱ء میں پیش آئی اسطرح یہی سنہ جامعہ کا سنہ تاسیسی قرار پاتا ہے۔

مریاڈیہ میں پہلی بار آمد: مریاڈیہ کے ساکن والد صاحب کے شاگرد حافظ لقمان صاحب دامت برکاتھم فرماتے ہیں کہ میرے ابو مولانا سعید الدین صاحب مظاہری فرماتے تھے کہ ہم ساکنان موضع مریاڈیہ نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کے منیجر مولانا مسیح الدین صاحب اور صدر میں تھا۔ جب یہ طے پایا کہ ایک با صلاحیت استاد کو باہر سے لایا جائے تا کہ وہ مدرسہ میں نئی جان اور نئی روح پھونکے تو ہم لوگوں نے مولانا عبد الاول صاحب فاروقیؒ امام جامع مسجد بیا سے ایک استاذ فراہم کرنے کی درخواست کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ والد محترم مدرسہ جامعہ اسلامیہ کے بعض اراکین شوری سے برگشتہ ہو کر مدرسہ سے الگ ہو گئے تھے اور مدرسہ کی ذمہ داری مولانا ریحان صاحب کو سونپ دی گئی تھی یہ غالباً ۱۹۶۴ء کا واقعہ ہے اس کے بعد والد محترم موضع مریاڈیہ الہ آباد آ گئے اور ہمہ تن علم دین کے خدمت میں لگ گئے

ساتھ ہی گاؤں کی جامع مسجد میں امامت کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس وقت مدرسہ اسلامیہ گاؤں کی عیدگاہ کے بغل میں ایک ہال میں واقع تھا اور والد محترم کی رہائش قریب کے ایک مشفق،، چھیدی نانا،، کے گھر تھی۔ تین سال کے عرصہ ہی میں شاگردوں کی ایک جماعت تیار ہوگئی جس کے اثرات پورے گاؤں میں محسوس کئے گئے۔

سلطانپور واپسی: تین سال بعد ہی جامعہ اسلامیہ سلطانپور میں ایسے حالات پیش آئے کہ مولانا عبدالاول صاحبؒ نے مریاڈیہ کے ذمہ داروں سے چند مہینہ والد محترم کی خدمات حاصل کرنی چاہی تا کہ مدرسہ کا بگڑا نظام درست ہو جائے۔ والد محترم نے اسے قبول فرمایا۔ کیونکہ یہ وہ پودا تھا جسے والد محترم نے اپنے پسینہ سے سینچا تھا۔ غرض والد محترم جب سلطان پور تشریف لائے تو اس کا موقع ہی نہ آیا کہ آپ اسے مُرجھاتا چھوڑ کر مریاڈیہہ واپس آجائیں پھر جامعہ اسلامیہ میں مختلف ادوار آتے رہے لیکن والد محترم ہر پریشانی جھیلتے ہوئے جامعہ کی خدمت میں لگے رہے یہی وہ دور تھا جب سلطانپور کے کئی شاگردوں نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ یہ دور بڑا آزمائشی تھا والد صاحب نے اس عرصے میں کبھی گھر پر عید نہ کی۔ فراہمی سرمایہ کے لئے آپ رمضان میں تراویح سنانے کے بعد کلکتہ جاتے، غلہ کی فراہمی کے لئے تحصیل مسافر خانہ ضلع سلطان پور کے مختلف دیہاتوں میں سائکل پر جاتے، یہ سفر اپریل اور مئی کی گرمیوں میں ہوتا لیکن اس مشقت کو صرف رضائے رب اور جامعہ کے بچوں کے نظمِ خوراک کی خاطر خوشی خوشی برداشت کرتے یہ دور غربت کا تھا، مسلمانوں کے پاس بہت کم پیسے تھے کریم طبقہ پاکستان ہجرت کر چکا تھا مدرسہ چلانا لوہے کے چنے چبانے کے برابر تھا۔ والد محترم کے شاگرد ڈاکٹر حافظ محمد احمد صاحب مریاڈیہہ نے بتلایا کہ والد صاحب نے فراہمی خوراک کے لئے برسوں مٹھی فنڈ کا انتظام کیا جس کا طریقہ کار یہ تھا ہانڈی مختلف گھروں میں دی جاتی جسمیں کھانہ پکانے سے پہلے ایک مٹھی اس ہانڈی میں ڈال دیا جاتا جسے مدرسے کے طالب علم ہفتہ میں ایک دن جا کر اس ہانڈی کو لے آتے اور اسمیں جمع شدہ آٹا ایک برتن میں اکٹھا کر دیا جاتا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ سال ختم ہونے سے پہلے پیسے ختم ہو گئے تو ہنگامی چندے کے لئے نئے علاقوں کا سفر کیا۔ والد صاحب اصولوں کے بڑے پابند تھے کبھی اس سے سمجھوتا نہیں کیا اور نہ کبھی مالداروں سے

مرعوبیت کا شکار ہوئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جامعہ اسلامیہ سلطانپور سے سبکدوشی ایک دو بار نہیں تین بار پیش آئی دوسری بار سبکدوشی چھ مہینہ کے لئے ۷۳ء میں پیش آئی اور تیسری بار ۱۹۸۶ء میں پیش آئی۔

مریاڈیہ میں دوسری بار آمد: والد محترم جامعہ اسلامیہ سے سبکدوش ہو کر سارا سامان ایک ٹرک میں لاد کر اپنے گاؤں ماتن پور میں آ گئے۔ مریاڈیہ کے مدرسہ : مدرسہ اسلامیہ امدادیہ کے سالہا سال تک منیجر کے عہدے پر فائض رہنے والے مکرمی جناب محمد انصار صاحب جنھیں ہم پیار سے: انصار چچا کہتے ہیں وہ بتلاتے ہیں کہ ہم لوگوں کو جیسے ہی پتہ چلا کہ قاری صاحب ماتن پور میں جامعہ اسلامیہ سلطانپور سے سبکدوش ہو کر آ گئے ہیں۔ ہم اور جنرل سکریٹری جناب محمد الحاق صاحب مرحوم نے فوراً رخت سفر باندھا اور سڑک سے گاؤں کا راستہ جو تقریبا پانچ کلومیٹر ہے۔ اس کو پیدل طے کرتے ہوئے رات ہی میں ماتن پور پہنچ گئے۔ چچا فرماتے ہیں کہ سکریٹری صاحب دیر گئے رات تک ظابطے کی باتیں طے کرتے رہے اور جب صبح مجھکو بتلانے کا ارادہ کیا گیا تو ہم نے بغیر سنے کہا: مجھے ساری شرطیں منظور ہیں کیونکہ مجھے قاری صاحب کی شخصیت کا اندازہ تھا چنانچہ والد محترم نے مریاڈیہ آ کر مدرسہ میں نئی جان ڈالدی آپ ؒ کی برکت سے چند سالوں میں دس کے قریب عالم اور بیسوں حافظ تیار ہو گئے۔ گاؤں کے قریب اسٹیشن والی مسجد میں آپ نے ہر جمعہ کو تقریر کرنے کا معمول بنایا جس کے اثرات عام افراد پر بھی پڑے۔ گاؤں کی پرانی لڑائی کو ختم کرنے کے لئے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کیں ان کو صلح پر تیار کیا ساتھ ہی شہر الہ آباد کی سماجی و اصلاحی سرگرمیوں، میں بھی حصہ لیا آخر کار رٹائر ہونے کے بعد اپنے وطن فتحپور میں آ کر بس گئے۔

فتحپور میں آمد اور خدمات: فتحپور میں تقریبا دو سال تک مختلف علمی مشغولیات میں مشغول رہے اس کے بعد شدت سے یہ خیال آپ کے دل میں جم گیا کہ ایک ایسا ادارہ فتحپور میں قائم ہونا چاہئے جو قرآنی خدمت کے لئے مثالی ہو چنانچہ اپنے شیخ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتھم کے مشورے سے محلہ آزاد نگر پتھر کٹا میں گھر سے قریب ایک زمین چار سو گز پر مشتمل خریدی سرمایہ کی فراہمی کا طریقہ یہ اپنایا کہ بیس افراد سے پانچ پانچ ہزار روپئے حاصل کئے جائیں اور یہ لازمی شرط ہوگی کہ یہ رقم چونکہ زمین کی خریداری کے لئے ہے اس لئے زکوٰۃ یا

صدقات واجبہ کی قسم سے ہر گز نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خلوص پر مبنی عزم میں برکت دی اور جلد ہی زمین کی پوری قیمت ادا کر دی گئی۔

والد صاحب کی ایک اہم خصوصیت امانت و دیانت تھی آپ ۲ حفظ کے بچے جو مریاڈیہ میں قیام کے دوران کے شاگرد تھے جسمیں سے ایک قاری و حافظ وجہ القمر اور دوسرے مزمل احمد سلمہ (اول الذکر الہ آباد کی مشہور جامع مسجد ابو بکر کریلی میں نائب امام ہیں)۔ان کے ذریعہ کرایہ کے ایک کمرے میں جامعہ تجوید الفرقان کی ۲۰۰۱ء میں ابتدا کر دی جب روداد شائع کی تو واضح طور پر بتلا دیا کہ فی الوقت دو بچے ہیں اور آئندہ وسعت کے مطابق داخلہ لیا جائگا، ماشاء اللہ شہر کی قسمت جاگ گئی ۔کئی شرفاء اور مالدار افراد کے بچوں نے اپنے سینوں کو حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال کیا اور لگا تار الحمد للہ یہ سلسلہ جاری ہے۔ انتقال کے چند دن پہلے بھی جبکہ ذہن پوری طرح کام نہیں کر رہا تھا باصرار سارے اساتذہ کو طلب کیا اور سالانہ جلسہ دستار بندی کے سلسلے میں باز پرس کیا کہ ابھی تک آپ لوگوں نے کوئی تیاری نہیں کی؟ یاد داشت اکثر ساتھ چھوڑ دیتی! مدرسہ کے استاد مولانا سیف اللہ صاحب ندوی نے بتلایا کہ چند دنوں پہلے مجھے طلب کیا اور فرمایا کہ آج کئی تاریخ ہوگئی ہے آپ نے تنخواہ کی تقسیم کا انتظام نہیں کیا۔ جب انھوں نے بتلایا کہ آپ حسب معمول پہلی تاریخ کو تنخواہ تقسیم کر چکے ہیں تب قاری صاحب کو اطمنان ہوا مولانا نے فرمایا کہ قاری صاحب کا ہمیشہ کا یہ معمول رہا کہ اساتذہ کو تنخواہ پہلی تاریخ کو ضرور مل جائے تا کہ ان کو اس سلسلے میں کوئی دقت نہ ہو۔ عمومی طور پر شوال کے مہینہ میں مجلس شوریٰ کی میٹنگ منعقد کرتے اور اساتذہ کی تنخواہ کے سلسلے میں غور وفکر کے بعد جسمیں سبھی ارکان بھر پور حصہ لیتے۔ مجموعی تنخواہ کے فیصد کے اعتبار سے اضافہ فرماتے۔غرض حتے الامکان اساتذہ کی بہبودی کا خیال کرتے۔ سبھی قارئین سے درخواست ہے کہ والد محترم کے لئے استغفار اور درجات کی بلندی کے لئے دعا فرمائیں اور ہم چاروں بھائیوں، تینوں بہنوں مع والدہ محترمہ کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ صبر عطا فرمائے۔ مزید والد محترم کے بتلائے نقوش راہ پر چلنے کی ہم سب لوگوں کو توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین

خصوصیات: والد محترم کی کچھ خصوصیات تھیں۔ زندگی گزارنے کا ایک خاص انداز تھا اور یہ وہی انداز تھا جو شریعت کو مطلوب ہے، رضائے رب جس کا نتیجہ ہے

اور سنت نبوی جسکی شاہراہ ہے۔ اور پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کمزور ایمان وعمل کے حامل افراد کو قوت حاصل ہو اور شیطان کے اس وسوسہ کا علاج ہو جائے کہ سنت نبوی اور صحابہ کے طریقۂ کار پر چلنا اس زمانے میں ناممکن ہے۔ آپ والد محترم کے بود و باش اور عادت واطوار کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ شریعت کے راستہ پر چلنا آج کے زمانے میں مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن قطعی نہیں۔

قناعت: مدرسہ اسلامیہ امدادیہ مریاڈیہ میں، والد محترم کے سلسلہ میں ایک یادگاری جلسہ مورخہ ۱۳ر فروری ۲۰۲۲ء کو منعقد ہوا جسمیں الہ آباد کے مایہ ناز عالم اور مُفسّر حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب دامت برکاتھم بانی مدرسہ دار العلوم مرکز اسلامی نے فرمایا کہ میرا تعلق قاری محمد احسن صاحب سے، تسلسل کے ساتھ ۱۹۷۵ء سے سنہ وفات تک رہا ہے۔ میں نے جو خاص بات ان کی ذات میں پائی وہ قناعت کی دولت ہے۔ جس سے قاری صاحب مالا مال تھے کبھی بھی معاشی پریشانی کی شکایت زبان پر نہیں لائے حالانکہ زندگی میں معاشی اتار چڑھاؤ کے تقریباً سبھی شکار ہوتے ہیں۔ لیکن قاری صاحب ہمیشہ صابر وشاکر رہے۔ مزید کار خیر میں بھی حصہ لینے سے نہ چوکتے جب بھی کوئی موقع آتا تو وہ آگے بڑھ کر مالی مدد اور تعاون پیش کرتے۔ مال حاصل کرنے کے چکر میں نہ کبھی ٹیوشن کیا اور نہ کبھی تنخواہ کے عوض امامت کی جبکہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ گھر کے اخراجات نہایت کفایت شعاری کی وجہ سے ہی پورے ہوتے تھے۔ بچپن میں ہمیشہ گھر میں ایک ہی سالن بنتا تھا اور گھر میں پھل فروٹ آنے کا امکان کسی خاص وجہ یا موقع ہی پر ہوتا تھا۔ اس پر والد محترم کا یہ حال تھا کہ ایک بار مجلس شوریٰ نے تنخواہ بڑھائی تو مہینوں یہ کہکر قبول کرنے سے انکار کرتے رہے کہ اللہ کا شکر ہے میری ضروریات سابقہ تنخواہ ہی سے پوری ہو جاتی ہیں۔

سادگی: مولانا غیاث الدین صاحب دامت برکاتہم نے مزید بتلایا کی قاری صاحب کی دوسری اہم خصوصیت سادگی تھی وہ شہر کے سب سے بڑے ادارے کے ناظم تھے بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے نائب صدر تھے۔ سبھی سیکولر سیاسی پارٹیوں کے قائدین آپ سے ربط وضبط رکھتے تھے۔ لیکن رہائش گاہ ایسی معمولی کہ فرش بھی پختہ نہ تھا، چھت کھپریل کی تھی جو اکثر ٹپکتی، ملاقاتی کمرے میں سوائے چارپائی کے ایک کرسی بھی نہ تھی۔ یہ تو سلطانپور کی زندگی کا حال تھا اس کے بعد حالات میں جب

انقلاب آیا تو والد محترم نے شہری زندگی کو یکسر خیر باد کہکر دریائے گنگا کے کنارے مریاڈیہ گاؤں میں کچھار کے قریب واقع ایک ویران مکان میں رہائش اختیار کر لی۔ جب طوفان چلتا تو ریت کے ذروں سے مکان گرد وغبار سے بھر جاتا یہ مکان صرف ایک کمرہ ایک راہ داری اور ایک برآمدے پر مشتمل تھا جسمیں کبھی کبھی سارے بھائی بہنوں کو ملا کر کل دس افراد کے رہائش کے بوجھ کو قبول کرنے پر اس مکان کو مجبور ہونا پڑتا، کپڑے ہمیشہ اپنے ہاتھ سے دھلتے اس کا معیار بالکل عام سا ہوتا، پیوند لگا کر کپڑا پہننا سنت سمجھتے، جوتے سالہا سال چلاتے۔ چپل سلا سلا کر پہنتے، سفر سائکل پر کرتے مجمع میں خطاب شیروانی پہن کر کرتے لیکن روز مرہ اور خانگی زندگی میں سادگی کا پتلا تھے، مریاڈیہ کی زندگی کے آخری سالوں میں فرج آنے کے باوجود گھڑے کا پانی ہی پیتے۔

دینی معاملے میں سختی: مریاڈیہ میں منعقدہ جلسے میں علاقہ کے نامور عالم اور خطیب مولانا ابرار صاحب نے فرمایا کہ میرے نزدیک قاری صاحب کی سب سے عظیم خصوصیت عمل کے میدان میں شدت پسندی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے معاملے میں کسی کو بھی خاطر میں نہ لانے کی تھی۔ قاری صاحب کے نزدیک اگر کوئی چیز غلط ہوتی تو اسے زبان پر ضرور لاتے، مناسب انداز سے روکتے ٹوکتے اور اس فرض کی انجام دہی میں کسی بھی شخصیت اور تعلقات کو رکاوٹ نہ بننے دیتے۔

طالب علموں کی تربیت: اسی جلسے میں اکثر شاگردوں کا یہ کہنا تھا کہ قاری صاحب نے تعلیم کے ساتھ ساتھ ہم لوگوں کی تربیت پر بھی بھرپور توجہ دی۔ کوئی لفظ اگر غلط بولا جاتا تو اسے فوراً درست کرتے، اردو نہ بولنے پر اکثر ڈانٹتے اور پھر رغبت دلاتے۔ اگر کوئی طالب علم لباس میں بے پروائی اختیار کرتا تو اس کو فوراً توجہ دلاتے موقع ہوتا تو عملی طور پر اس کے کپڑے درست کرتے، پہننے اوڑھنے اور رہن سہن کا سلیقہ سکھاتے۔ شروع زمانے میں اپنے شاگردوں کو فجر بعد کی تعلیم میں اپنے ہاتھوں سے چائے پلاتے اور موقع بموقع سارے بچوں کو لذیذ ناشتہ کرواتے۔

اصول وضوابط کی پابندی: ضلع فتحپور میں منعقدہ یادگاری جلسہ میں قاضی شہر حافظ شہید الاسلام صاحب (عبداللہ بھائی) نے فرمایا کہ قاری صاحب نوّر اللہ مرقدہ کی بڑی اہم خصوصیت جو اب نایاب ہوتی جارہی ہے، اصول کی پابندی تھی خود بھی اس پر شدت سے عمل کرتے اور دوسروں سے بھی اسی کی خواہش رکھتے۔ فرمایا

کہ سابق قاضی شہر مولانا معین الاسلام صاحب جو قاری صاحب کے استاذ بھی تھے سلطان پور کے دوران قیام میں وہ جامعہ اسلامیہ میں صدر مدرس تھے اور قاری صاحب ناظم، کسی خطا کی وجہ سے ایک استاد نے طالب علم کو زیادہ مار دیا بہ حیثیت صدر مدرس قاضی صاحب نے استاذ کو سخت سست کہا اور ڈانٹا۔ اسپر استاد صاحب بگڑ گئے اور معاملہ بڑھ گیا چنانچہ ناظم صاحب نے طلب کیا اور فرمایا چونکہ آپ سے سخت غلطی سرزد ہوئی ہے اس لئے آپ استاذ سے معافی مانگیں صورتحال یہ تھی کہ ایک شاگرد استاذ سے معافی کا مطالبہ کر رہا تھا لیکن عدل کا تقاضا یہی تھا چنانچہ مولانا معین الاسلام صاحب نے معافی مانگی اور شدت جذبات سے مغلوب ہو کر دونوں استاد، شاگرد گلے مل کر رونے لگے، قاضی شہر عبداللہ بھائی نے بتلایا کہ جامعہ تجوید الفرقان میں بارہا دیکھا کہ باپ کی محبت کا تقاضا کچھ ہوتا اور نظامت کے اصول وضوابط کسی دوسری چیز کا مطالبہ کرتے تو ایسا کبھی نہ ہوا کہ پدری محبت کو غلبہ حاصل کرنے کا موقع ملا ہو اور اصول وضوابط نے مصلحت کی چادر اوڑھ کر راہ فرار اختیار کر لی ہو۔

نصیحت آموز واقعات:

☆ جامعہ تجوید الفرقان کے استاذ مولانا سیف اللہ صاحب ندوی جو والد محترم کے حسابی امور کو بھی کافی حد تک دیکھتے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک بار تیس ہزار روپئے کا ایک چک آیا، آمدنی کے رجسٹر میں اندراج کر لیا گیا جب آخر میں حساب ہوا تو پورے تیس ہزار روپئے کی کمی درپیش تھی، سب لوگ پریشان تھے کہ آخر تیس ہزار روپئے کس طرح کم پڑ گئے، تلافی کے لئے قاری صاحبؒ نے اپنی طرف سے تیس ہزار روپئے جمع کر دیئے، تقریباً ۲ رسال بعد چک اس نوٹ کے ساتھ واپس آیا کہ ٹیکنکل خامی کی وجہ سے چک سے رقم نکالی نہیں جا سکتی۔ کافی عرصے بعد اب پتہ چلا کہ تیس ہزار روپئے کیسے آمد وخرچ کے حساب میں کم پڑ رہے تھے۔ اب موقع تھا کہ قاری صاحب اپنی رقم مدرسے کے خزانے سے وصول کر لیتے لیکن قاری صاحب نے مدرسہ کے خزانے میں دی ہوئی رقم کو واپس لینا گوارا نہ کیا۔ مقام نصیحت ہے کہ والد محترم کی کوئی مستقل آمدنی نہ تھی مدرسہ کی سبھی خدمات مفت تھیں لیکن نظام زندگی کی سادگی نے انھیں کافی غنی بنا دیا تھا اور مدرسہ سے لینے کی فکر کے بجائے دینے کی فکر کا حامل بنا دیا تھا۔

☆ میرے بچپن کا دور تھا، کبھی کبھار مدرسہ میں کسی کے تعاون وامداد سے عمدہ کھانا پکتا تھا میں کھانے کی خوشبو سونگھتا تھا لیکن والد صاحب کے ڈر سے کھانے کی ہمت نہ تھی، حلال و پاک صاف غذا اپنے بچوں کو کھلانے کا والد محترم کو مکمل اہتمام تھا ۔ایک شاگرد جو غالباً مولانا عبدالسمیع صاحب تھے مجھے میرے روکنے کے باوجود باصرار انھوں نے اپنے کھانے میں مجھے شریک کرلیا، کچھ دیر بعد والد محترم کو میں نے گیٹ سے داخل ہوتے ہوئے دیکھا، میرا خوف نا قابل بیان تھا لیکن میں اس قدر چھوٹا تھا کہ انھوں نے فوراً پیروں کے بیچ میں مجھے لٹادیا اور اپنے لمبے کرتے سے مجھے ڈھانپ دیا۔ والد محترم سر جھکائے لمبے لمبے قدم اٹھائے چلتے چلے گئے اور مجھے ایسا لگا جیسے کہ میری روح میرے بدن میں واپس آگئی۔

☆ غالباً میری عمر ۱۲؍سال کی رہی ہوگی۔ انٹرول کا وقت تھا مدرسہ کے طلباء اپنے ہاتھوں میں لمبی لکڑی لئے لکڑی ہی کے ٹکڑے سے ہاکی کھیلنے کا لطف اٹھا رہے تھے عام طور پر ظہر کی نماز کے وقت کھیل بند ہوجاتا تھا لیکن اس دن محویت کا یہ عالم تھا کہ سبھی مشغول رہے اور ظہر کی نماز میں حاضری نہ ہوسکی کچھ دیر بعد والد محترم آئے اور انھوں نے میرے ہاتھ کی لکڑی لے کر ایسی سرزنش کی اور وہ سزا دی کی جماعت کی اہمیت ہمیشہ کے لئے میرے دل میں نقش ہوگئی۔

☆ مدرسہ میں دکھن جانب ایک صاحب کا کھیت تھا جسمیں انھوں نے گوبھی بو رکھی تھی اور مجھے کسی وجہ سے اس کھیت کے پاس ہی یاد کرنے کے لئے بیٹھا دیا گیا تھا۔ (میں نے حفظ کی تکمیل مدرسہ کے آفس میں بیٹھ کر والد محترم سے کی ہے) میں یاد کرنے کے دوران ادھر اُدھر دیکھتا۔ اور جب گوبھی پر نظر جاتی تو بار بار منھ میں پانی آتا۔ لیکن خوف کی وجہ سے قدم آگے نہ بڑھ پاتے لیکن ایک موقع آیا کہ شیطان مجھ پر غالب آگیا اور میں نے گوبھی توڑ لی۔ اتفاق کی بات کچھ دیر بعد ہی والد صاحب آگئے پوچھنے پر میں نے جھوٹ کا سہارا لیا اور کہہ دیا ایدو جی (کھیت کے مالک) نے ہی خود دی تھی لیکن سہما سہما دور سے نظر رکھے ہوئے تھا کہ والد صاحب گھر جاتے ہوئے کہیں ایدو جی سے پوچھ نہ لیں۔ آخر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا ۔والد صاحب کو جب دور سے میں نے پوچھتے ہوئے دیکھا تو میرے لئے مار کے ڈر سے بھاگ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ آخر میں بغیر بتلائے میلوں شہر کے باہر بھاگتا چلا گیا لیکن جب سورج ڈوبنے کو ہوا تو تاریکی کے خوف نے میرے پیر پکڑ

لئے اور میں الٹے پاؤں واپسی کے سفر چل پڑا آخر والد صاحب کے ایک شاگرد جناب بیّن سلطانپوریؒ صاحب کی سفارش نے مجھے والد محترم کے عتاب سے بچایا۔ اس دن والد محترم کی غضبناک آنکھوں نے مجھے یہ سبق دیدیا کہ چیز چاہے کھانے کی ہو، اور کھیت میں لگی ہوا سے بھی بغیر مالک کی اجازت سے لینا جائز نہیں۔

☆ میری عمر تقریبا بارہ سال کی رہی ہوگی اور میں درجہ سات میں جامعہ اسلامیہ جونیر ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھا۔ موقع تھا پورے شہر کے جونیر لیول کے اسکولوں کا آپسی فٹبال میچ کا، چنانچہ بہ حیثیت کپتان مجھے اپنے اسکول کی ٹیم کی قیادت ٹورنامنٹ میں کرنی تھی چونکہ سرپرستی سرکار کر رہی تھی اس لئے سختی کے ساتھ ڈریس بھی متعین تھا کوئی طالب علم بغیر ڈریس کے شریک نہیں ہوسکتا تھا میں نے والد محترم سے ایک نیکر کی فرمائش کی تاکہ میں اسے پہن کر شرکت کرسکوں میرے نزدیک یہ بہت ہی اہم موقع تھا اور کسی بھی حال میں، میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ والد صاحب کا جو جواب تھا شریعت کی پامالی کے موقع پر وہ اکثر مجھے یاد آجاتا ہے فرمایا: بیٹے اور جو فرمائش کرو میں اسے پوری کرسکتا ہوں لیکن نیکر کی فرمائش میں ہرگز نہیں پوری کرسکتا اس لئے کہ اس سے بدن کا وہ حصہ کھلا رہتا ہے جس کا چھپانا فرض ہے۔

☆ غالباً دس سال کا میں رہا ہوگا۔ بجماعت نماز کی اہمیت میرے دل میں بیٹھ چکی تھی نماز کی ادائیگی کے لئے میں وضوخانے میں وضو کر رہا تھا، دوسری جانب ایک طالب علم اپنے سامنے دستی گھڑی رکھ کر وضو کر رہا تھا جماعت مکمل ہوئی تو ہر ایک اپنی مشغولیت میں لگ گیا کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ مذکورہ طالب علم کی گھڑی غائب ہے اور الزام مجھ پر ہے کہ گھڑی میں نے چرائی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ گھڑی کی مالیت آج کل کے موبائل سے کم نہ تھی میں سہم گیا جتنا انکار کرتا اسی قدر شدت کے ساتھ مجھ پر الزام لگایا جاتا۔ آخر مقدمہ والد صاحب کے پاس گیا۔ والد محترم نے تین اساتذہ کی ایک جیوری بنائی اور مقدمہ ان کے حوالہ کردیا گیا اتفاق کی بات کہ اسمیں ایک استاذ مولانا محمد حنیف کانپوری دامت برکاتہم بھی شامل تھے انھوں نے بتلایا کہ مجھے طالب علم کی غفلت کی وجہ سے یقین تھا کہ یہ گھڑی چھوڑ کر چلا جائگا چنانچہ میں نے گھڑی اٹھالی تھی اور پھر اس طالب علم کی سرزنش کر کے گھڑی اس کے حوالہ کردی گئی۔ سوچتا ہوں کہ والد محترم نے کیسے یہ الزام برداشت کیا ہوگا!، ان پر کیا گزری

ہوگی مگر انصاف کے تقاضوں کو جذبات کے ہاتھوں ہرگز پامال نہ ہونے دیا۔

☆ سنہ ۲۰۰۰ء کی بات ہوگی کہ میں بی۔اے۔ فائنل کا امتحان دینے کے لئے حیدرآباد کے سفر کی تیاری کررہا تھا۔ والد محترم کو پتہ چلا تو انھوں نے روانگی کے وقت پانچ سو روپئے عنایت فرمائے کہ اسے اپنی ضرورتوں میں خرچ کرنا۔ میں نے باصرار کہا کہ حاجت نہیں ہے میرے پاس پیسے ہیں لیکن باصرار انھوں نے مجھے پیسے حوالے کردئے دوسری جانب دل خوش تھا کہ خرچ میں آسانی رہے گی۔ سوچتا ہوں تو دل کہتا ہے کہ اصل میں یہ علم کے حصول کی قدردانی تھی۔ ہمت افزائی کا انداز تھا۔ ایک طالب علم کے لئے نیک جذبات کا زادراہ تھا۔

☆ میں شہر الہ آباد میں ادارہ تعلیم القرآن میں تدریس کی خاطر قیام پذیر تھا۔ اور ہر ہفتہ اطراف شہر میں واقع موضع مریاڈیہہ جو شہر سے ۱۲ر کلومیٹر کی دوری پر ہے والد محترم سے ملاقات کی غرض سے جایا کرتا تھا۔ سنیچر کی صبح جب بھی روانہ ہوتا والد محترم باقاعدہ مجھے رخصت کرنے کی خاطر گھر سے کچھ دور میرے ساتھ پیدل جاتے اور مشایعت کی سنت پر عمل کرتے۔ والد محترم کے اس عمل سے سنت کی پابندی کا آپ بخیر خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

☆ یہ سلطانپور کے قیام کا وہ دور تھا کہ بابری مسجد کی تحریک زوروں پر تھی سلطانپور کی قیادت والد محترم کے کاندھوں پر تھی۔ ایکشن کمیٹی کی جانب سے جیل بھرو تحریک کا اعلان کردیا گیا، ایک جم غفیر قائدین سلطانپور کی قیادت میں جیل میں جانے کے لئے اُمڈ پڑا، لوگوں کی لمبی لائن لگی تھی۔ انتظامیہ کی پالیسی یہ تھی کہ عام لوگوں کی کاغذی کارروائی کے بعد قائدین کی کارروائی پوری کی جائے گی۔ والد محترم کی مومنانہ بصیرت نے اندازہ لگا لیا کہ متعیّنہ آخری وقت اتنا تنگ ہے کہ قائدین کی گرفتاری کا نمبر ہی نہ آئے گا۔ فوراً والد صاحب نے عام لوگوں کے صف میں لگ کر اپنی کاغذی کارروائی مکمل کروالی۔ وقت ختم ہوتے ہی کارروائی روک دی گئی سارے قائدین باہر ہی رہ گئے اب جیل کے اندر کا حال یہ تھا کہ قائدین میں سوائے والد محترم کے کوئی نہ تھا اور جیل کے اندر جس سے جتنا ہوسک رہا تھا اپنے غصّہ کا اظہار کررہا تھا اور شور مچا رہا تھا کیونکہ جیل بھرو تحریک کا مقصد ہی انتظامیہ پر دباؤ بڑھانا تھا ایسے وقت میں والد محترم کے قائدانہ رول کو سبھی نے سراہا اور دل سے توصیف بیان کی کہ ایسے موقع پر قیادت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے صحیح وقت

پر درست منصوبہ بندی کی۔ کاغذی کارروائی پوری کرنے کے لئے قائد سے عامی (عام آدمی) بننے میں کوئی جھجک نہ محسوس کی۔

☆ جب والد صاحب کا فتحپور میں مستقل قیام ہو گیا اور مدرسہ کے امور انجام دینے لگے تو میں الہ آباد سے مہینہ ڈیڑھ مہینہ میں والدین سے ملاقات کی غرض سے فتحپور جاتا۔ میرے جانے پر دل سے خوش ہوتے اور روانگی کی خبر کو اچانک سننا گوارا نہ کرتے بلکہ فرماتے جس دن جانا ہو اس سے پہلے مجھے مطلع کر، دوران قیام میرے کھانے پینے کا خصوصی اہتمام کرتے پھل فروٹ لاتے اور رشتہ داروں دوست و احباب سے ملاقات کی نصیحت کرتے۔ یہ باتیں اگرچہ سننے میں معمولی ہیں لیکن تعلق ومحبت میں اضافہ اور رشتہ داروں واحباب کے حقوق کی ادائے گی میں بہت اہمیت کی حامل ہیں ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہی تربیت میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔

☆ دوران قیام سلطانپور والد محترم کو کسی ذریعہ سے پتہ چلا کہ دادا کی طبیعت بہت خراب ہے والد صاحب کی جفاکش محنتی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ بس کا انتظار کیا جائے بلکہ سائکل ہی سے روانہ ہو گئے۔ چند کلومیٹر کا سفر چھوڑ کر ماتن پور تک کا پورا سفر جو تقریباً ۱۲۰ کلومیٹر ہوتا ہے سائکل ہی سے طے کر لیا۔ والد صاحب فرماتے تھے کہ جب میں رات میں گھر پہونچا اور دروازے پر تمہاری ماں نے بتلایا کہ (میاں جی) کی طبیعت بہتر ہے تو اس لفظ بہتر نے سفر کی ساری مشقت اور تھکاوٹ کو ختم کر دیا۔

ایک با اثر باکمال شخصیت

از۔ مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب امت برکاتہم

امام الہ آباد یونیورسٹی مسجد

اس فرودگاہ عالم میں جو آتا ہے جانے کے لئے ہی آتا ہے اس جہاں رنگ و بو کا دستور ہے یہاں کا خار بھی فانی ہے اور گل گلزار بھی کیسے کیسے چمن زار ویرانے میں تبدیل ہو گئے اور کیسے کیسے نغمہ سرا عندلیب خاموش ہو کر پردۂ عدم میں چلے گئے! ادھر دو ڈھائی سال کے قلیل عرصے میں ملّت اسلامیہ کو جس طرح ملی، علمی، دینی، دعوتی، تدریسی، تبلیغی اہم اور ممتاز شخصیات کے خسارے سے دو چار ہونا پڑا ہے وہ بڑا صبر آزما ہے۔ کتنے ہی مخلص اور باصفا داعیان حق، مصلحین قوم، مشائخ عظیم، دیدہ ور محققین و مصنفین، باکمال مدرسین ماہرین فن مشفق اساتذہ کے رخصت ہو جانے سے ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پُر ہونا مشکل ہے۔ اس فہرست میں ایسے باکمال شخصیات کے نام بھی ہیں جو آسمان شہرت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ایسے لعل و گہر بھی ہیں جن کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے اور ایسے اشخاص بھی جنھیں انکی خدمات کے لحاظ سے شہرت نہ مل سکی۔ انھوں نے بھی گوشۂ عافیت، اور خمول ہی کو اپنے لئے اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی باران رحمت سے ان سب حضرات کو سرشار فرمائیں اور اپنے قرب و رضا کے انوار سے ان کی خواب گاہوں کو منور فرمائیں۔ (آمین)

انھیں باکمال اور ممتاز شخصیات میں حضرت مولانا قاری سید محمد احسن صاحب فتحپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ و برد مضجعہٗ کی ذات بھی ہے ۷ر فروری ۲۰۲۲ء کو اپنے پیچھے ایک بھرا پڑا خاندان اور علمی و دینی خدمات کا ذخیرہ چھوڑ کر اپنے ربّ کریم کے حضور حاضر ہو گئے۔ ان کی زندگی کے عہد شباب کے قیمتی اوقات سلطان پور میں گزرے جہاں انکی مخلصانہ جدو جہد، دعوت دین متین اور تعلیمی سرگرمیوں کے

اثرات پورے ضلع سلطانپور میں پائے جاتے ہیں۔

شہر سلطانپور میں انہوں نے جامعہ اسلامیہ کی تاسیس اور قیام میں حضرت مولانا عبدالاول صاحب فاروقی لکھنویؒ نبیرہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی کی معیّت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ پھر اسکی ترقی اور استحکام کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور توانائی صرف کردی۔ چنانچہ دیکھتے دیکھتے اپنے حلقہ اثر کے ساتھ ساتھ تعمیری اعتبار سے بھی جامعہ اسلامیہ ایک معتبر، قابل ذکر اور قابل رشک ادارہ بن گیا۔

جامعہ اسلامیہ کی تعمیر وترقی میں انہوں نے انتھک جدوجہد کی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کے لئے انہوں نے اپنے عہد شباب کی ساری توانائی صرف کردی۔ ان کے دل میں مسلکِ حق کی اشاعت اور بدعات وخرافات کی تردید نیز اکابر دیوبند پر اعتراضات واتہامات کے ردوانکار کا بھی جذبہ موجزن تھا چنانچہ سلطانپور میں اس کا بھی معرکہ گرم رہا کرتا تھا۔ قاری صاحب (عام طور پر مولانا محمد احسن صاحب ۔قاری صاحب ہی لقب سے معروف تھے) اس میدان کے بھی مرد مجاہد تھے۔ چنانچہ رضا خانیوں کی گمراہ کن کوششوں سے عام مسلمانوں کے اعمال وعقائد کی حفاظت کے لئے بڑی کامیاب کوشش فرمائیں۔ دین حق کے سلسلے میں وہ بہت غیور واقع ہوئے تھے۔ غیرت دینی کے ساتھ حق تعالیٰ نے انھیں جوش حمایت، ہمت و حوصلہ اور جرأت وبے باکی صفات سے بھی نوازا تھا ساتھ ہی انمیں دوراندیشی بھی تھی جس کو بروئے کار لاکر بڑی ہمت اور حکمت سے ان فتنوں کا مقابلہ کیا۔ صرف رضا خانیت ہی نہیں بلکہ سلطانپور میں اہل تشیع کا فتنہ بھی کچھ کم نہیں ہے، اس سلسلے میں بھی ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ وہ ان خدمات اور مخلصانہ جدوجہد کے نتیجہ میں پورے ضلع سلطانپور کی ایک بااثر شخصیت بن گئے تھے اور عوام وخواص ہی نہیں

حکام تک ان کا احترام کرتے اور عزت وعظمت کی نظر سے انھیں دیکھتے۔

سلطانپور میں ان کے طویل قیام کا زمانہ دعوتی اور انتظامی سرگرمیوں میں گزرا۔ اس عرصہ میں انکی ساری سرگرمی اور تگ ودو مدرسہ کی تعمیر وترقی اور اصلاحی کاموں میں ہوتی رہی، لیکن پھر ایک موڑ پر جب ان کو اپنے ہی بعض احباب، متعلقین اور کارکنان سے شکایت ہوئی تو ان کی غیرت مند طبیعت اور حساس دل اس بوجھ کو برداشت نہ کر سکا، وہ لوگوں کے پیہم اصرار کے باوجود نہایت استغناء کے ساتھ نہ صرف مدرسہ سے بلکہ سلطانپور ہی سے رخصت ہو گئے اور شہر الہ آباد کے قریب ایک گاؤں مریاڈیہہ کے مدرسہ میں آ گئے۔ یہاں ان کے کچھ مخصوص احباب اور متعلقین تھے انھیں کی خواہش اور اصرار پر یہاں وہ تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ اب شہر کی مصروف زندگی اور ہماہمی سے دوری پھر فرصت کے اوقات اور علمی کام کرنے کے لئے میسر لمحات کی وجہ سے ان کا رجحان تصنیف وتالیف کے کام کی طرف ہوا۔ اور انھوں نے جب قلم اٹھایا تو اپنے وسیع وعمیق مطالعہ کی روشنی میں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نوادرات کا مجموعہ (نوادرات سیرت) کے نام سے مدوّن کر کے شائع کر دیا۔ اسی درمیان انکو یہ خیال ہو کہ خود ضلع فتح پور میں بھی کام کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ انھوں نے یہاں سے بھی رخت سفر باندھا اور ضلع فتحپور میں ایک مدرسہ اور مسجد کی بنیاد رکھی۔ جس نے جلد ہی، اپنی نہ صرف یہ کہ دینی شناخت بنالی بلکہ ایک معیار اور وقار حاصل کر لیا اور اس کے ساتھ ہی قلم کا رہرو جواب انکا مصاحب خاص بن چکا تھا، اس نے، نوادرات سیرت سے صاحب سیرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال وآثار مبارک یعنی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیش قیمت مجموعہ (مشکاۃ المصابیح) کے ترجمہ اور تشریح کے مبارک اور مسعود کام پر لگا دیا پھر آپ نے ایسی تندہی اور دلچسپی کے ساتھ یہ مبارک خدمت انجام دی کہ

(انوار المصابیح) کے نام سے گیارہ ضخیم جلدیں تیار ہوگئیں جو دیوبند سے شائع ہوکر علماء اور عوام کے لئے نفع بخش ثابت ہورہی ہیں۔ احادیث شریف کے مجموعہ مسمّیٰ بہ (الفیتہ الحدیث) کی شرح بھی (انوار السُّنن) کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں تالیف فرمائی۔ یہ بھی دیوبند سے شائع ہوکر مقبول خاص و عام ہے۔ ان کا یہ قلمی سفر اگرچہ بہت بعد میں شروع ہوا لیکن جب شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسمیں برکت عطا فرمائی اور دین کی بڑی خدمت انجام پاگئی جو ان کے لئے صدقہ جاریہ اور آنے والوں کے لئے رہبر و رہنما ہے آخر میں وہ صحیح مسلم شریف پر بھی کام شروع کر چکے تھے جسکی تکمیل کی انکو بہت فکر تھی الغرض ان کی زندگی کے آخری کئی سال حدیث مبارک کی خدمت کے اشتغال میں گذرے ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے بہت ہی فال نیک ہوگا۔

وہ بہت قناعت پسند زاہدانہ مزاج رکھتے تھے معاملات میں بہت حساس واقع ہوئے تھے باوجود کثیر العیال ہونے کے بہت معمولی وظیفہ پر خدمات انجام دیں اور دنیا کے سبز باغ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کو یہ بدلہ عطا فرمایا کہ اب ان کے چاروں صاحبزادے ماشاء اللہ دین کی خدمت بھی اپنے طور پر انجام دے رہے ہیں اور دنیوی لحاظ سے بھی خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں اور بیٹیاں بھی خوشحال ہیں۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور جنت الفردوس میں انھیں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ان کے قائم کئے ہوئے ادارے اور پسماندگان کو جملہ شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

جو بڑے تھے ہمارے گئے

مولانا عبدالعلی فاروقی صاحب
ناظم دارالعلوم فاروقیہ ومدیر اعلیٰ ماہنامہ ''البدر'' کاکوری لکھنؤ
Email:aafarooqi4@yahoo.com

مولانا قاری محمد احسن صاحب مرحوم سے شناسائی ہی نہیں، ان کی خصوصی شفقتیں بہت ہی کم عمری سے حاصل رہیں۔ یاد آتا ہے کہ ان سے پہلی ملاقات غالباً جامعہ اسلامیہ سلطان پور کے سنگ بنیاد کے موقع پر ہوئی تھی۔ جب کہ قاری صاحب بالکل جوان اور میں کم سن بچہ تھا۔ یہ مدرسہ میرے برادر اکبر حضرت مولانا محمد عبدالاول صاحب فاروقی نے قاری صاحبؒ نیز اپنے کچھ دیگر مخلصین اور اپنے جدامجد امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحبؒ کے بعض مقامی مریدین کے تعاون سے قائم کیا اور پروان چڑھایا تھا۔ سنگ بنیاد کے اس عظیم الشان جلسہ میں میرے خاندان کے اس وقت کے میرے اور خود بھائی جان (مولانا محمد عبدالاول صاحبؒ) کے قریب قریب سب ہی بڑے جن میں میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد عبدالحلیم صاحبؒ بھی شامل تھے، بھائی جان کی سرپرستی کے لئے شریک ہوئے تھے۔ اور ہم اس وقت کے کئی بچے بھی اپنے بڑوں کے ساتھ اس جشن میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہم اس وقت کم سنی کی اس عمر میں تھے کہ ہمیں یہ یاد نہیں رہ گیا کہ اور کون کون علمائے کرام اس میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی تقاریر میں کیا بیان فرمایا تھا۔ ہاں یہ ضرور اچھی طرح یاد ہے کہ بہت بڑی تعداد میں علماء اور عوام کی شرکت کی وجہ سے ایک جشن کا سماں تھا، اور اسٹیج پر دو عرب ملکوں کے سفیر بھی موجود تھے جن کی عربی زبان میں کی جانے والی تقریروں کا ساتھ ساتھ ہمارے بھائی جان اردو میں ترجمہ کررہے تھے۔ تقریروں میں سفراء حضرات یا دیگر علمائے کرام نے کیا کہا؟ یہ سمجھنا میری بساط سے باہر تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ کسی مدرسہ کے جلسہ میں عرب سفیروں کی شرکت بھی اسی جلسہ میں دیکھی تھی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جلسہ کے اختتام پر میرے والد ماجدؒ نے بھائی جان کو مبارک باد

دیتے ہوئے انہیں گلے سے لگا کر بہت دعائیں دی تھیں۔

یاد ہے کہ بھائی جان کے ساتھ ایک صاحب سایہ کی طرح لگ کر ہر قسم کے انتظام وانصرام میں حصہ لے رہے تھے، اور چلتے پھرتے مجھ پر نظر پڑتی تو وہ کبھی میرے سر پر دھپ لگا دیتے، کبھی میرے گال پر ہاتھ پھیر دیتے۔ وہ ایسا بار بار میرے ہی ساتھ کر رہے تھے۔ حالاں کہ وہاں میرے علاوہ میرے اور بھی چچازاد بھائی موجود تھے ——— یہ تھے ہمارے بھائی جان کے دست راست (اور بہت بعد میں سمدھی بن جانے والے) حضرت مولانا قاری محمد احسن صاحب مرحوم، جو جامعہ اسلامیہ کے روز بنا سے بھائی جان کے مخلص معاون رہے اور بعض ناگزیر حالات کی بنا پر بھائی جان کے جامعہ اسلامیہ اور سلطان پور چھوڑ کر لکھنؤ آجانے کے بعد وہی جامعہ اسلامیہ کے ناظم بھی بن گئے تھے۔ حالاں کہ ایک طویل مدت تک جامعہ کے ناظم کی حیثیت سے اس کو بام عروج پر پہنچانے کے بعد قاری صاحب کے ساتھ بھی کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ وہ بھی جامعہ سے مستعفی ہو کر الٰہ آباد چلے گئے تھے۔

میں طویل عرصہ، بلکہ ماضی قریب تک یہی سمجھتا تھا کہ قاری صاحب ہمارے بھائی جان کے رفیق درس ہیں اور دونوں نے ایک ساتھ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی ہے۔ مگر میری غلط فہمی کا ازالہ اس طرح ہوا کہ میرے پھوپھا مولانا رفیق القاسمی نے (جو قاری صاحب مرحوم کے ہم وطن بھی ہیں) بتایا کہ قاری صاحب تو میرے اور مولانا اسامہ قاسمی مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا مبین الحق صاحب فتح پوری مرحوم کے دارالعلوم میں ہم درس ساتھی رہے۔ جب کہ مولانا محمد عبدالاول صاحبؒ کی دارالعلوم سے فراغت بہت پہلے کی تھی۔

مولانا قاری محمد احسن صاحب مرحوم پرانی وضع کے ان جید الاستعداد علماء میں سے تھے جو نام ونمود اور شہرت واقتدار سے بچتے ہوئے علم اور دین کی مخلصانہ طور پر خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ افسوس اور رنج کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آج کے دور میں ایسے افراد کی تعداد گھٹتے گھٹتے انگلیوں پر گنے جانے

کے لائق رہ گئی ہے۔ ایسے ہی مخلص و بے ریا لوگوں کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ "موت العالِم موت العالَم" (ایک عالم کی موت سارے عالم کی موت ہے)۔

قاری صاحب مرحوم نے عمر بھر تدریسی خدمات انجام دیں اور ان کے علمی فیوض سے استفادہ کر کے خود اپنا ایک مقام بنانے والوں کی تعداد بلاشبہ ہزاروں میں ہے۔ قاری صاحب کے ایسے ممتاز شاگردوں میں ایک نمایاں نام جامعہ اسلامیہ کے موجودہ ناظم برادرم جناب مولانا محمد عثمان صاحب کا بھی ہے جو قاری صاحبؒ کے ساتھ بھائی جان مرحوم کے بھی بہت ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔ اور اس کا ذکر بہت فخر کے ساتھ کرتے ہیں۔

تدریس کے ساتھ ساتھ قاری احسن صاحب مرحوم کا تصنیف و تالیف کا بھی مشغلہ تھا۔ اور ان کے قلم سے متعدد دینی و علمی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انہیں حدیث نبوی کی تشریح و تفسیر سے خصوصی شغف تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ صاحب نے فون پر بتایا کہ دیگر کتب کے ساتھ ہی مسلم شریف پر وہ بہت ہی علمی انداز کا کام کر رہے تھے، جس کی تکمیل و اشاعت سے پہلے ہی حق تعالیٰ نے ان کی اس دنیا کی زندگی مکمل کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ ایسے اسباب مہیا فرمائے کہ مرحوم کے افادات کی اشاعت ہو تا کہ طالبان علوم دین و حدیث اس سے استفادہ کر سکیں۔ آمین)

بھائی جان مرحوم کے انتقال کے بعد قاری صاحب مرحوم سے ہمارا ایک جسمانی رشتہ بھی اس طرح قائم ہو گیا تھا کہ میرے بھتیجے اور بھائی جان مرحوم کے فرزند مولانا عبدالباقی مرحوم کی شادی قاری صاحبؒ کی صاحبزادی سے ہو گئی تھی۔ اس طرح قاری صاحب میرے سمدھی بھی بن گئے تھے۔

قاری صاحب کا آخری پڑاؤ اپنے وطن فتح پور میں ہو گیا تھا، جہاں انہوں نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ وہ خود چوں کہ ضعیف بھی ہو چکے تھے اور ان کا تصنیف و تالیف کا بھی مشغلہ تھا۔ اس لئے ان کی سرپرستی میں ان کے صاحبزادگان نے

(جو ماشاء اللہ خود بھی عالم اور اپنے والد ماجد کے خلف الصدق ہیں) اس مدرسہ کو پروان چڑھایا۔ اور یہ عمل تاہنوز جاری ہے۔ ابھی ایک سال قبل قاری صاحب مرحوم کی دعوت واصرار پر اسی مدرسہ کے جلسہ میں شرکت کے لئے فتح پور حاضری کے موقع پر قاری صاحب سے آخری ملاقات ہوئی تھی اور ان سے ڈھیروں دعائیں ملی تھیں۔

اپنی ٹوٹی پھوٹی کچھ مصروفیات، نیز بیماریوں خصوصاً گھٹنوں کے درد کے عوارض کی وجہ سے ایک عرصہ سے میرے اسفار کا سلسلہ تقریباً ختم ہی ہوگیا ہے اور احباب وکرم فرماؤں کے شدید اصرار کے باوجود میں لکھنؤ سے باہر کا سفر نہیں کر پا رہا ہوں۔ اس کے باوجود قاری صاحب کی دعوت واصرار پر میں نے ان کے مدرسہ کے جلسہ میں شرکت کے لئے فتح پور کا سفر ان کے نواسے اور اپنے پوتے عزیزی عبدالرزاق سلمہ کے ہمراہ کیا۔ اور آج خوشی ہو رہی ہے کہ مجھے سفر کے تعب ومشقت سے تو ضرور دوچار ہونا پڑا۔ مگر میں نے یہ سفر کر کے اور قاری صاحب کی فرمائش پر ان کے مدرسہ کے جلسہ میں تقریر کر کے انہیں خوش کیا اور اپنے آپ کو پچھتاوے سے بچالیا۔ فالحمدللہ۔

دراصل قاری صاحب مرحوم نے مجھے اس جلسہ میں شرکت کے لئے دعوت کچھ ایسے والہانہ انداز میں دی تھی جس سے ان کی بے لوث محبت، مجھ پر اعتماد، اور ان کے دل میں میرے لئے پائی جانے والی جگہ، سب ہی کی جھلک مل رہی تھی۔ جسے بہ فضل خدا میں نے سمجھ بھی لیا اور اس کی قدردانی کی مجھے توفیق بھی مل گئی۔ اور آج مسرت اس بات پر ہے کہ اپنے سچے قدردان بزرگ کے بے غرض اور والہانہ جذبات کو سمجھ کر اس کا کچھ حق ادا کرنے کی مجھے توفیق مل گئی —— ہوا یوں تھا کہ لاک ڈاؤن کی شدید پابندیوں کے دوران ایک دن میرے موبائل کی گھنٹی بجی جسے رسیو کرنے پر دوسری طرف سے بتایا گیا کہ میں ..... قاری محمد احسن صاحب کا بیٹا بول رہا ہوں۔ والد صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی سماعت اس درجہ متاثر ہو چکی ہے کہ وہ آپ کی کوئی بات سن نہیں سکتے ہیں۔ اس لئے آپ بس ان کی بات سن لیجئے۔ اس کے بعد جو کچھ آپ کا جواب ہو وہ مجھے

سنا دیجئے۔ میں اپنے حساب سے لکھ کر یا اشاروں کے ذریعہ آپ کا جواب ان تک پہنچادوں گا ——— اس کے بعد قاری صاحب نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا کہ.....
مارچ ۲۰۲۱ء میں میرے مدرسہ کا جلسہ منعقد ہونا طے پایا ہے، جس میں ابھی کافی لمبا وقت ہے۔ مجھے آپ کی معذوریوں کا علم ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں، اس کے باوجود میری دلی خواہش ہے کہ کسی بھی طرح میری خاطر تکلیف اٹھا کر آپ اس جلسہ میں شرکت کے لئے فتح پور کا سفر ضرور کرلیں۔ جس سواری سے اور جس طرح آپ سفر کرنا چاہیں مجھے منظور ہے۔ اس سے قبل ایک مرتبہ پہلے بھی آپ نے یہاں کے جلسہ میں شرکت کی منظوری دی تھی، مگر کچھ عوارض کی وجہ سے آپ شریک نہیں ہوسکے تھے۔ اب میرے چل چلاؤ کا وقت ہے اور میری دیرینہ خواہش ہے کہ میں آپ کو اپنے مدرسہ میں دیکھ لوں۔ اگر آپ نے اس مرتبہ بھی کسی عذر کی وجہ سے شرکت نہ کی تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو پچھتانا پڑے؟۔

قاری صاحب نے بھرپور قابلیت سے اپنی بات کہہ کر میرے لئے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی تھی۔ اس لئے جب ان کے صاحبزادہ نے میرا جواب دریافت کیا تو میں یہی جواب دینے پر مجبور ہوا کہ قاری صاحب سے کہہ دیجئے کہ اگر اس وقت تک زندہ رہا تو جس حال میں بھی ہوں گا، ان شاء اللہ ضرور حاضر ہوکر ان کی خوشی کا سامان کردوں گا۔ اور پھر حق تعالیٰ نے مدد فرمائی اور مقررہ تاریخ میں فتح پور قاری صاحب کے مدرسہ کے جلسہ میں شرکت کے لئے پہنچ گیا۔ میں بتا نہیں سکتا کہ مجھے اپنے مدرسہ میں پاکر قاری صاحب کا خوشی سے کیا حال تھا۔ یہ سب کچھ اس طرح ہوگیا جیسے اس مرد مومن کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ ؎

زندگی کے ساز دے رہی ہے مجھے　　سحر و اعجاز دے رہی ہے مجھے
اور بہت دور آسمانوں سے　　موت آواز دے رہی ہے مجھے

اب کہاں ایسے مخلص لوگ جو اپنے کسی خرد پر ایک مرتبہ نگاہ شفقت ڈال دیں تو زندگی کی آخری سانس تک اسے نباہیں؟

فرحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

حق تعالیٰ ان کے اخلاف کو ان کے علم و تقویٰ نیز اخلاص وللّٰہیت کی میراث کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حسن اخلاق کے پیکر

از۔محمد حسن قاسمی، ادارہ تعلیم القرآن

اَللّٰھُمَّ اَھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَعْمَالِ وَاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ۔ لَا یَھْدِنِی لِاَحْسَنِھَا اِلَّا اَنْتَ وَقِنِیْ سَیِّئَ الْاَعْمَالِ۔وَسَیِّئَ الْاَخْلَاقِ لَا یَتَّقِیْ سَیِّئَھَا اِلَّا اَنْتَ

اے اللہ مجھکو احسنِ اعمال (بہتر اعمال) اور احسنِ اخلاق (بہترین اخلاق) کی رہنمائی فرمایئے ۔آپ ہی کی رہنمائی سے بہترین اعمال اور بہترین اخلاق وجود میں آئیں گے ۔ نیز برے اعمال اور خراب اخلاق سے مجھکو بچایئے آپ ہی کے بچانے سے انسان برے اعمال اور خراب اخلاق سے بچ سکے گا۔

یہ وہ عظیم الشان دعا ہے جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے اندر دعا مانگ کر امت کو تعلیم دی کہ احسنِ اعمال اور احسن اخلاق کی دعا مانگے اور ان دونوں کے حصول کی فکر کرلے۔

حضرت مولانا سید قاری محمد احسن صاحبؒ یقینا میرے علم کے مطابق احسن اعمال اور احسن اخلاق سے متصف تھے جسکا ثبوت ان کی زندگی کے مختلف شعبوں میں ہوگا۔

مرحوم نے اپنی جوانی کا معتدبہ حصہ سلطان پور میں گزارا اور ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالکر اسکی آبیاری کر کے جلد ہی ایک جامعہ بنادیا۔اسکے بعد الہ آباد مریاڈیہ میں بھی مدرسہ کی آبیاری کر کے اسکو بھی خوب ترقی دیا۔ اپنی عمر کے آخری حصہ (بڑھاپے) میں فتحپور شہر میں ایک نئے مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور اسکو اپنے احسن اعمال اور اور احسنِ اخلاق سے شہر کا ایک مؤقر مدرسہ بنادیا۔انکا احسنِ اعمال اور احسنِ اخلاق سے متصف ہونے کا میں نے بارہا مشاھدہ کیا۔بایں طور پر کہ انکا تعلق

سلطان پور اور مریاڈیہ دونوں مدرسوں کے حل وعقد حضرات سے برابر قائم رہا دونوں مدرسوں کے ذمہ داران واساتذہ حضرات مولانا کے حکم کا مکمل احترام کرتے تھے۔

حضرت مولانا قاری سید محمد احسن صاحب میری والدہ کے سگے پھوپھی زاد بھائی تھے اس رشتہ سے وہ میرے ماموں تھے پھر جب احقر کی شادی ہوئی تو میری اہلیہ انکی رشتہ میں بہن تھیں لہذا مزید تعلق بڑھ گیا یہ تعلق مزید بڑھا اور میری بڑی لڑکی کا نکاح انکے بڑے لڑکے عزیزم حافظ وقاری محمود حسن غازی قاسمی سے ہو گیا لہذا وہ سمدھی بھی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا قاری سید محمد احسنؒ کو اپنے خصوصی رحمتوں سے جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائے آمین۔

محمد حسن قاسمی، خادم مدرسہ ادارہ تعلیم القرآن

تعزیت نامہ

برادران عزیز، صاحبزادگان حضرت الاستاذ طاب اللہ ثراہٗ

از۔ محمد عثمان قاسمی ناظم جامعہ اسلامیہ، سلطانپور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

باری تعالیٰ آپ حضرات و جملہ اہل خانہ حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کو ظاہر و باطنی امن سلامتی، عافیت دائمی میسر کرے (آمین)

حضرت مولانا قاری سید محمد احسن صاحب قاسمیؒ سابق ناظم اعلی جامعہ اسلامیہ، خیرآباد، سلطانپور کی وفات حسرتِ آیات میرے اور جملہ اہل سلطان پور کے لئے اس سال کا سب سے عظیم سانحہ ہے، ہزار ضبط کے باوجود حضرت سے الاستاذ کی شفقت ومحبت کو یاد کر کے آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، قلب وجگر پارہ پارہ ہوا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی وفات سے مجھے اس قدر زخم پہونچا ہے کہ اس کے صورت یوں محسوس ہوتی ہے۔

ایک دو زخم نہیں سارا بدن ہے چھلنی
درد بے چارہ پریشاں ہے کہاں سے اٹھے

حضرت قاری صاحب کی حیثیت اہل سلطان پور کے لئے بالخصوص جامعہ اسلامیہ کے وابستگان کے لئے وہی ہے جو برصغیر کے لئے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تھی، حضرت نے ۱۹۶۰ء میں مناظر اسلام حضرت مولانا عبد الاوّل صاحب فاروقی لکھنویؒ کی رفاقت ومعاونت میں جامعہ اسلامیہ جیسے دینی، علمی، ادبی، روحانی مرکز کی بناء ڈال کر کفر بدعت، رفض ولادینیت کے ماحول میں نعرہ مستانہ بلند کیا اور بحمد اللہ آج بھی جامعہ اسلامیہ حضرت قاری صاحب کے فیض سے ہزاروں تعلیم یافتگان کو پیدا کر کے علمی عطر بیزی اور اعلائے کلمۃ اللہ میں لگا ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک جامعہ کی روحانی باد بہاری چلتی رہے گی حضرت الاستاذ قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فیضان جاری وساری رہے گا ان شاء اللہ العزیز،

حضرت قاری صاحبؒ کے دیگر حسنات کے علاوہ صرف جامعہ اسلامیہ کی شکل میں خدمات جلیلہ حضرت والا کو اعلیٰ علیین پہونچانے کے لئے کافی ہوگی۔

حضرت الاستاذ قاری صاحب علیہ الرحمہ کی ایک بہت بڑی خصوصیت تھی کہ آپ جامعہ کی انتظامی مشغولیات کے ساتھ پوری تندہی سے اہم کتابوں کے اسباق بھی پڑھاتے اور جب سبق پڑھاتے تو خالص مدرس ہو جاتے اور پوری مہارت کے ساتھ درس دیتے، انتظامی مشغولیات کی جھلک بھی نظر نہیں آتی، اساتذہ رخصت پر ہوتے تو ان کے اسباق بھی پڑھاتے اور اس کی نگرانی کرتے، گاہے بگاہے درجات حفظ میں پہونچ جاتے اور بچوں کا قرآن سنتے، اللہ سبحانہٗ تعالی نے حضرت قاری صاحب کو تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ بنایا اور دینی جرات حمیت سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ الحاصل حضرت والا کی ذات مجمع کمالات تھی۔ جامعہ کے تمام وابستگان بالخصوص ارکین مجلس وشوری وعاملہ، اساتذہ طلبہ جامعہ اور تمام اہل سلطان پور و شاگردگان حضرت والا خدا کی جناب میں دعا گو ہیں کی اللہ سبحانہٗ تعالیٰ آپ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطاء فرمائے نیز حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے اس چمن کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور یہ ادارہ تا قیامت دین اسلام کی خدمت کرتا رہے تا کہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ اور ان کے تمام رفقاء کے حسنات میں اضافہ ہوتا رہے (آمین ثم آمین)

فقط والسلام

دعوات صالحہ کا طالب: (یک از خدام حضرت والا)

محمد عثمان قاسمی

ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ، خیر آباد، سلطان پور (یوپی)

نواھی پر نکیر انکی مخاطب خاص وعام انکا

قاضی محمد قسیم صاحب قاسمی

امام جامع مسجد بیبیا سلطانپور

حضرت قاری صاحب خانوادہ ءسادات کے چشم و چراغ تھے وہ صحیح معنوں میں سادات کی بھت سی خصوصیات کے امین تھے حق گوئی وبیبا کی میں کلمۃ حق عند سلطان جائر آپکا شیوہ تھا خلاف سنت اعمال سے نہ صرف بچتے اور محتاط رھنے کی کوشش کرتے تھے بلکہ اگر کہیں خلاف سنت اعمال ھوتے ھوئے دیکھتے تو اسپر سختی کے ساتھ بلاتردد و بلاخوف لومۃ لائم نکیر فرما کر اپنے آپکو بری کر لیتے تھے سلطانپور جب بھی تشریف لاتے تو نماز جمعہ اکثر جامع مسجد بیبیا میں ادا فرماتے اور اس دن اصلاحی خطاب آپ ہی کا ھوتا تھا اور نماز جمعہ بھی آپ ہی پڑھاتے ایک دن باجازت حضرت قاری صاحب نماز جمعہ مابدولت نے پڑھائی اور بعد نماز جمعہ دعا کچھ طویل ھوگئی تو حضرت نے اظھار ناراضگی فرماتے ھوئے فرمایا کہ یہ خلاف سنت عمل ھے جن فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل ھیں انمین لمبی دعا مانگنا مکروہ اور خلاف سنت عمل ھے اور مشفقانہ تنبیہہ فرمائی آج کے اس پرآشوب دور میں اتنی محتاط سادہ لوح اصول پسند شخصیتین کمیاب کیا نایاب ھوتی جارھی ھیں جس بات کو حق سمجھتے اسے بلاخوف لومۃ لائم کہدیتے تھے متنازع معاملات میں اگر آپ بحیثیت فیصل بلائے جاتے تو کبھی جانبداری کا مظاہرہ نہیں فرماتے بلکہ حق کہدیتے تھے اگرچہ کوئی کوئی کتنا ہی قریبی دوست کیوں نہ ھوتا حق گوئی وبیبا کی آپکی کلاہ افتخار کی طرہ امتیاز تھی صداقت پسندی دیانتداری میں آپ ضرب المثل بن گئے تھے دوران قیام جامعہ مدرسہ کی رقوم کے لئے مختلف مدات کے اعتبار سے الگ الگ تھیلیان آپنے بنا رکھی تھیں ایک مد کی رقم دوسری مد میں کبھی استعمال نہیں فرماتے تھے فراھمی مالیات کے لئے رمضان المبارک میں تشریف لاتے تو اپنی ذاتی رقم اور مدرسہ کی رقوم الگ الگ رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے آجکے اس پرفتن دور مین اتنا محتاط رھنے والے کی ولایت میں شک نہیں کیا جاسکتا اللہ تعالی ھم سب کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

قاضی محمد قسیم قاسمی سلطانپور

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سماجی خدمات

حافظ مطہر السلام
صدر جمیعتہ العلماء سلطانپور

بتاریخ ۷ رفروری ۲۰۲۲ء بروز دوشنبہ یہ اندوہناک اطلاع ملی کہ جامعہ اسلامیہ خیرآباد سلطان پور کے سابق ناظم اعلیٰ وسرپرست جامعہ اسلامیہ حضرت مولانا قاری سید محمد احسن صاحب قاسمی فتح پوری مسافران آخرت میں شامل ہو گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون یہ دنیا چندروزہ ہے جو شخص بھی اس دنیا میں آیا ہے اسے موت سے مفر نہیں ارشاد باری تعالی ہے کل نفس ذائقہ الموت ثم الیناترجعون۔

اور ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے کوئی بھی شخص مستثنا نہیں ہے مگر موجودہ وقت میں جس تیزی کے ساتھ علمائ کا قافلہ موت کی طرف رواں دواں ہے اس سے یہ یقین آتا ہے اب قیامت قریب آگئی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے قرب قیامت علم اٹھالیا جائے گا۔

ہزاروں لوگ اس دنیا سے روز آنہ سفر آخرت کرتے ہیں کبھی کبھی تو ان پر کوئی رونے والا بھی نہیں ہوتا کبھی چند دن ان کو یاد کر کے لوگ انہیں بھلا دیتے ہیں لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو ہمیشہ ہمیش اپنے کارناموں کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں حضرت قاری صاحبؒ کی شخصیت بھی انہیں خوش نصیب لوگوں میں تھی جو اپنے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ باقی رہیں گے آپ کے قائم کردہ دونوں اداروں (جامعہ اسلامیہ وجامعہ تجوید الفرقان) کے فیوض یافتہ طلبہ اور آپ کے تلامذہ ملک اور بیرون ملک دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں جو آپ کے نام کو زندہ رکھیں گے اور تا قیامت صدقہ جاریہ جاری وساری رہے گا۔

استاذ گرامی حضرت قاری صاحبؒ بہت سے محاسن وکمالات کے حامل تھے جملہ علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے تفسیر وحدیث فقہ وحدیث میں زبردست مہارت تھی۔

آپ کی پوری زندگی عشق نبوی کا نمونہ تھی آپ کی اولین ترجیح یہی ہوتی تھی کہ کوئی کام بھی خلاف سنت نہ رہے یہی وجہ تھی کہ بہت سی تقریبات میں آپ کی شرکت صرف اسی وجہ سے بھی نہیں ہوتی تھی کہ سنت کی پامالی ہوگی۔

آپ کا انداذ تدریس انتہیائی عالمانہ اور بصیرت افروز تھا بہت ہی سہل انداز میں سبق کی تشریح فرماتے علمی نکتہ بیان فرماتے طلبہ کی عملی تربیت پر خصوصی نگاہ رکھتے حضرت قاری صاحبؒ کی بہت بڑی خوبی اور سعادت کی بات یہ تھی کہ آپ کا دل قرآن کی محبت سے سرشار تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے فراغت کے بعد سلطان پور کے قیام کے دوران مدرسہ کے انتظامی ذمہ داریوں کے باوجود کلام اللہ حفظ مکمل کیا اور تلاوت کا بہت اہتمام فرماتے تھے اور ہر سال تراویح میں مکمل قرآن سنانے کا اہتمام فرماتے مدرسہ کے فراہمی سرمایہ کے سلسلہ میں کلکتہ کا سفر ہوتا اس وجہ سے آپ چھ دنوں میں قرآن مکمل کر کے سفر پر جایا کرتے تھے ان کی یہ روایت آج بھی جامعہ اسلامیہ میں باقی ہے۔

اللہ نے آپ کو واقعۃ علم نافع سے نوازا تھا اور علم نافع کا حصول جس کو ہوتا ہے معرفت خداوندی کا نور اس کے دل سما جاتا ہے تقویٰ اور پرہیز گاری آپ کے رگ وریشے میں پیوست تھی اور صفت استغنائی تو آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی جو ایک عالم ربانی کی شان ہوتی ہے ہمارے اکابرین دیوبند کا یہ بڑا خصوصی وصف تھا کہ ان کو جو کچھ روکھا سوکھا ملا اسی پر قناعت کر کے اور کبھی کسی کے سامنے ضرورت کا اظہار نہیں کیا ہمارے حضرت قاری صاحبؒ کی صفت استغنائی کا یہی حال تھا کہ اپنی کسی ضرورت کا کبھی کسی کے سامنے اظہار نہیں فرمایا جرئت و بے باکی اور دینی حمیت کا یہ عالم تھا جب روسی فوجوں نے افغانستان پر غاصبانہ قبضہ کیا تو حضرت قاری صاحبؒ کی صدارت میں ضلع سلطان پور میں ایک بڑی کانفرنس کا انعقاد ہوا اور حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے صدارتی خطاب میں روس کی حکومت اور فوج کی مذمت کی جب کے حکومت ہند کا موقف روس کی حمایت کا تھا لیکن حضرت قاری صالح نے بے بہ بانگ دُہل روسی مظالم کا برملا اظہار کیا اور افغانستان

کے مسلمانوں کے ساتھ مکمل اظہار و ہمدردی کیا اور اس بات سے میمورنڈم کے ذریعہ حکومت ہند کو آگاہ کیا اور حکومت ہند کو اپنا موقف بدلنے کی پرزور اپیل کی اور اسی طرح جب بابری مسجد کا تالا کھلا تو اس کے احتجاج میں سلطان پور کے مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع کی قیادت کر کے جیل بھروا آندولن چلایا اور جیل گئے اور اس وقت تک واپس نہیں آئے جب کہ سارے مسلمانوں کو رہا نہیں کر دیا گیا جب کی جیلر بار بار کہہ رہا تھا آپ تشریف لے جائیں لیکن حضرت نے کہا جب تک میرا ایک بھی ساتھی جیل میں ہے میں باہر نہیں جا سکتا تقریبا چار دن جیل میں رہے اور جمعہ کا دن آیا تو آپ ہی کی امامت میں نماز جمعہ تمام مسلمانوں نے جیل کے اندر ادا کی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ جو ایک علام ربانی کے لئے اہم ہوتا ہے حضرت قاری صاحبؒ سلطان پور کے دیہاتوں کا دعوتی تبلیغی اسفار بذریعہ سائکل تانگا اور پیدل مسلسل فرماتے رہے اور گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کے قلوب کو شرک و بدعات کی ظلمتوں سے پاک فرما کر ایمان کی حقیقت پیوست فرماتے رہے ان کی محنتوں کی وجہ سے آج ضلع سلطان پور میں جا بجا مکاتب اسلامیہ قائم ہو گئے، حضرت قاری صاحبؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ جب میری آمد سلطان پور میں ہوئی محض نو و دس حفاظ کرام تھے آج حضرتؒ کی محنتوں کی وجہ سے الحمد اللہ گاؤں گاؤں حفاظ اور علمائ کی ایک بڑی جماعت وجود میں آچکی ہے یہ صرف اور صرف حضرت قاری صاحبؒ کی محنتوں کا ہی ثمرہ ہے دعا ہے کہ باری الہ حضرت الاستاذؒ کو اپنی شایان شان بدلہ عنایت فرمائے اور ہم تمام خدمان کو حضرت قاری صاحبؒ کے نقشے قدم پر طلتے ہوئے دین اسلام کی تاحیات خدمت کی توفیق عطائ فرمائے۔

(آمین ثم آمین)

(مولانا) سید مطہر السلام قاسمی

صدر جمعیۃ العلماء سلطان پور (یو۔پی)

ایک ہمدرد مُربّی

از۔زبیر احمد قاسمی، مریاڈیہہ

زندگی کا سفر کتنا بھی طویل ہو جائے ایک دن موت کی دہلیز پر آ پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ موت کے پاس نہ چھوٹوں کی شفقت ہے نہ بڑوں کی تعظیم نہ نیک صالح پر رحم نہ ہی ظالموں پر بخشش، حتیٰ کہ دربار شاہی میں حاضری کی اجازت سے بے نیاز حکم خداوندی کے مطابق اپنے ہدف کو حاصل کر کے ہی رہتی ہے۔ چنانچہ چند دنوں کی بیماری کے بعد بتاریخ ۷ رفروری ۲۰۲۲ء بروز دوشنبہ استاد محترم حضرت مولانا قاری سید محمد احسن صاحب کو موت نے اپنے حصار میں لے لیا اور انہیں جوار رحمت میں پہنچا دیا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

انسانی نشوونما کیلئے ضروری ہے کہ اس میں اعلیٰ صفات پیدا ہوں اور بری عادتوں کا خاتمہ ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان کی تربیت اصول وضوابط اور کڑی نگرانی میں ہو۔

مربی امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تربیت کے احسن طریق کا یوں احساس دلایا۔ ہے۔

اَکْرِمُوا اَوْلَادَکُم وَاَحْسِنُوا اَدَبھُمْ یَغْفِرْ لَکُم

اپنے بچوں کا احترام کرو اور انہیں بہترین ادب سکھاؤ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے گا۔

تربیت کے اسی قیمتی اصولوں کے پیش نظر اپنے صُلبی اور روحانی اولادوں (شاگردوں) کو تربیت کرنے والے ایک نہایت ہی عمدہ مربی ومحسن حضرت قاری صاحب کی شکل میں مجھے بھی ملے۔ بلکہ میرے پورے گھر وعلاقے کو ملے جو چند دن ان کی صحبت میں رہتا خود بخود ایک ضابطہ میں ڈھلنے لگتا اس کی زندگی میں قرینہ اور

اعمال میں سلیقہ آجاتا آپ کا انداز تربیت بہت منفرد تھا کسی چیز کو سکھاتے تو صرف زبانی بتا کر نہ سکھاتے بلکہ عملی طور پر اس کام کو کر کے سکھاتے معمولی چیزیں بھی سکھانے میں تکلف نہ کرتے کسی کو پانی دیتے وقت گلاس نیچے پکڑ کر پانی دینے کا طریقہ سکھاتے۔ مصافحہ کا مسنون طریقہ بتاتے حتیٰ کہ تہبند باندھنے کی بھی عملی مشق کراتے۔

غرض فرائض واجبات کے علاوہ آداب زندگی سے بھی اپنے طلباء کو آراستہ کرتے اگر اس تربیت میں تنبیہاً ڈانٹ (زجر وتوبیخ) کی نوبت کبھی آتی تو بس اسی لمحہ ناراضگی کا اظہار فرماتے آئندہ اس خندہ پیشانی سے پیش آتے جیسے کوئی غلطی ہی سرزد نہ ہوئی ہو۔

حضرت قاری صاحب سلطانپور کے ایک مدرسے میں تعلیم وتدریس سے سبکدوش ہوئے تو والد محترم الحاج انصار احمد صاحب اطال اللہ عمرہ بالصحۃ والعافیۃ نے قاری صاحب کو سلطان پور سے اپنے ہمراہ مریاڈیہ لے آئے اور گاؤں کے قدیم ادارے مدرسہ اسلامیہ امدادیہ میں تقرر کیا۔ حضرت قاری صاحب نے بھی پوری للہیت اور اخلاص سے تدریسی خدمت انجام دی اور مدرسہ کی تعلیمی ہی نہیں بلکہ تعمیری معیار کو بھی بلند کیا اور مدسہ ہی نہیں بلکہ پورے گاؤں کی گروپ اور جماعت بندی سے ہٹ کر اصلاح وتربیت کا کام کیا جمعہ کی تقریروں اور ذاتی نشستوں میں بھی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی پابندی کی تلقین کرتے اور اسلامی زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے۔

یہی وجہ ہے کہ قاری صاحب سے منسلک مریاڈیہہ کے اشخاص و شاگردوں کی ایک بڑی تعداد، لمبی مسافت طے کر کے گاؤں ماتن پور ضلع فتح پور انکے جنازے میں شریک رہی اور نم آنکھوں سے انکو الوداع کہا۔

آپ کی وفات کے بعد مدرسہ اسلامیہ اور امدادیہ میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تو چند لوگوں کو ایسا بے قابو اور آبدیدہ دیکھا کہ بہت کم عالموں کے انتقال پر ایسا منظر دیکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ استاد محترم کو غریق رحمت کرے اور کروٹ کروٹ آرام نصیب کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

مجھے ان کی زندگی میں تعلیم وتربیت کا تو احساس تھا ہی ان کے جانے کے بعد ان کی تعلیم وتربیت کا ہر آن استحضار وراحساس رہتا ہے۔ بلاشبہ ایسے لوگوں کا دنیا سے جانا ایک بڑا خسارہ ہے لیکن یہ تو نظام کائنات ہے کہ جو آیا ہے اسے جانا ہے۔

آہ! شارح مشکوۃ فتحپوری رحمہ اللہ تعالیٰ

از: مقصود احمد قاسمی

خادم التدریس مدرسہ عربیہ بیت المعارف بخشی بازار الہ آباد

ستارے زمیں کے بجھے جارہے ہیں ہمارے اکابر اٹھے جارہے ہیں

کچھ اس طرح ٹوٹا ہے تسبیح کا دھاگا کہ سارے ہی موتی گرے جارہے ہیں

عالمی وباء کورونا انفیکشن کے دور یعنی ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء سے اہل علم و اہل دل، اہل قلم اور اہل تقویٰ وطہارت کے اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت کرنے کا عجیب وغریب سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ جس کی بناء پر مدارس وخانقاہیں، مساجد ومکاتب محروم ہوتے جارہے ہیں۔ جو درحقیقت نبوی پیشین گوئی کے مطابق علم کے اٹھ جانے کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنَ العِبَادِ، وَلٰکِنْ یَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتّٰی اِذَا لَمْ یُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُھَّالاً، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَاَضَلُّوا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ علم کو ایک دم سے نہیں اٹھالیں گے کہ اس کو لوگوں سے چھین لیں، بلکہ وہ علم کو قبض کریں گے علماء کو قبض کرنے کے ذریعہ، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا (یا کسی عالم کو باقی نہیں چھوڑیں گے) تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، پس ان سے مسائل پوچھے جائیں گے اور وہ علم کے بغیر فتوے دیں گے، اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

مرشدی شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم نے جب اس قیامت خیز اندوہناک وغمناک مناظر کو دیکھا اور سنا کہ وہ نامور شخصیات جو چاند کی روشنی کی طرح چہار دانگ عالم میں اپنے علم وعمل کی شمع روشن کررہی تھیں، ہمیشہ کیلئے روپوش ہورہی ہیں۔ اس ہوش ربا منظر سے متأثر ہوکر فرمایا کہ امت سے تو مطالبہ ہے مراقبہ موت کا، لیکن اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کو مشاہدۂ موت کرا کے جھنجھوڑ دیا کہ اے غفلت کی نیند سونے والو! اٹھو، اور اپنی تخلیق کے

مقصد اصلی میں لگ جاؤ۔ اسی کو کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے　　آج وہ کل میری باری ہے

انہیں درخشندہ ستاروں میں سے ایک عمر رسیدہ علم وعمل کے جامع رجل رشید جو تواضع وتوکل میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے، علوم وفنون کے شہسوار تھے، کہنہ مشق مدرس واستاذ تھے، حدیث شریف کی بڑی بڑی کتابوں کے شارح تھے، تحقیق وتدقیق میں ید طولیٰ رکھتے تھے، نوک قلم سے اپنی ذات کیلئے ہمیشہ خاکسار ہی لکھتے رہے، بالآخر جمادی الثانیہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۰۲۲ء کو خاک میں مل گئے۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون۔** میری مراد جامع معقول ومنقول، شارح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت مولانا قاری محمد احسن صاحب فتحپوریؒ ہیں ؎

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے　　سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اوصاف حسنہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو واقعۃً علم نافع سے نوازا تھا، اور علم نافع کا حصول جس کو ہوجاتا ہے، معرفت خداوندی کا نور اس کے دل میں سماجاتا ہے، باری تعالیٰ کی عظمت وہیبت، خوف وخشیت سے ہمیشہ اس کا دل لبریز رہتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: "**انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء**"۔ گناہوں سے نفرت اور سنت کی محبت واتباع کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہتا ہے۔ تقویٰ وطہارت اس کے رگ وریشے میں پیوست ہوجاتی ہے۔ یہی آپ کی شان تھی جو عالم ربانی کی شان کہلاتی ہے۔ انتہائی با اخلاق انسان تھے، آپ کی پیشانی سے علمی رعب وجلال نمایاں ہوتا تھا۔ اہل قلم واہل دانش میں قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، دینی جلسوں اور تقریبوں میں برائے بیان بلائے جاتے تھے۔

علم دوست: حضرت مولانا علم دوست تھے، علماء محققین کی تحقیقی وتدقیقی باتوں سے بہت لگاؤ تھا۔ علمی جستجو ان کی فکر تھی، کسی مسئلہ کی تہہ تک پہونچ کر نتیجہ اخذ کرنا ان کا مشغلہ تھا۔ علمی دقائق اور تحقیق میں نکات کے حصول اور یافت میں کوئی چیز ان کو مانع نہ تھی۔ چنانچہ تقریباً تیس سال سے اس حقیر کا مشاہدہ ہے کہ آپ مدرسہ عربیہ بیت المعارف بخشی بازار الہ آباد میں بحیثیت ممتحن تشریف لاتے تھے اور کوئی نہ کوئی

علمی بحث، دیگر مدارس سے تشریف لانے والے ممتحنین کرام اور مدرسین کے درمیان چھیڑ دیتے تھے اور سب کے علمی لطائف اور افکار ونظریات کو سنتے اور بحث وتکرار کے ذریعہ اس مضمون کو تکمیل تک پہنچاتے تھے۔

حضرت مولانا کو بہت سے علوم وفنون پر عبور حاصل تھا۔ منجھے منجھائے استاذ تھے، دیرینہ تجربہ تھا۔ طلبہ عزیز کی صلاحیت واستعداد کا بالکل صحیح اندازہ لگا لیتے تھے اور درجات قائم کرکے نمبرات سے نوازتے تھے، جس پر مدرسہ کے اساتذہ وارا کین بالکل مطمئن رہتے تھے۔ فجزاهم الله تعالیٰ۔

خدمت حدیث: حضرت مولانا کو تصنیف وتالیف کا اعلیٰ ذوق تھا۔ ان کے قلم گہر بار سے انوار السنن شرح الفیۃ الحدیث اور انوار المصابیح شرح مشکوٰۃ شریف جیسی اہم کتابیں وجود میں آکر مقبول عام وخواص ہوئیں۔ یہ کتاب بڑے سائز پر ۱۱ ضخیم جلدوں میں ہے اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب محض اردو زبان میں حدیث کی کتابوں میں اضافہ ہی نہیں بلکہ دل کشش اور روح پرور تشریح کا ایک حسین گلدستہ ہے۔ مجھے خود ذاتی تجربہ ہے (چونکہ تقریباً ۳ر دہائی سے مشکوٰۃ شریف کے تدریس کی خدمت پر مامور ہوں) کہ اس کتاب میں بعض دقیق علمی بحثوں کی گرہیں جس آسانی سے کھلتی ہوئی نظر آتی ہیں، بہت کم جگہ پر نظر آئی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ملا علی قاریؒ کی مرقات المفاتیح کی اکثر تحقیقات کو کتاب کا جز بنایا گیا ہے۔ **ذلک فضل الله یوتیه من یشاء۔**

اب اس کتاب کی ان خصوصیات کو ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو غالباً صاحب کتاب نے مرتب کی ہیں، جو انوار المصابیح جلد ثانی کے آخر میں مرقوم ہیں، ملاحظہ کریں:

اس شرح کی چند خصوصیات:

(۱) متن حدیث کے اردو ترجمہ میں مادہ اشتقاق کو پیش نظر رکھ کر اس میں تشریحی اضافہ کئے بغیر صرف کلمات حدیث کی ترکیب نحوی کو پیش نظر رکھ کر ان کی حیثیت کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے، تاکہ طلبہ کیلئے متن حدیث کا بطور خود سمجھنا دشوار

نہ رہے، اس کے باوجود حتی الوسع یہ کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ بامحاورہ ہو۔

(۲) متن حدیث کی ایک سطر کا ترجمہ اس کے بالمقابل ایک ہی سطر میں کیا گیا ہے۔

(۳) حل لغات میں کسی بھی کلمہ کے اپنے صلہ کے ساتھ اس کے جو معنیٰ ہوتے ہیں اور حدیث میں جو مراد ہو سکتے ہیں صرف ان کو ہی لکھا گیا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

(۴) تشریح وتحقیق کے خانہ میں ترجمۂ راوی مختصراً لکھا گیا ہے، اس کے بعد اعراب اور حرکات کی تعیین حسب ضرورت کی گئی ہے۔

(۵) متن حدیث کے تشریح طلب جملوں کو بین القوسین لکھ کر بالعموم ان کا مطلب خیز ترجمہ مع تشریحی وتوضیحی کلمات کے اضافہ کیا گیا ہے اور حسب ضرورت متن حدیث کے کلمات کی حیثیت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

(۶) شارحین حدیث کے وہ اقوال جو کسی جملہ یا کلمہ کی مراد کے سلسلہ میں ہیں ان کے صرف بہت ضروری حصص کو ہی معہ حوالہ نقل کیا گیا ہے۔

(۷) شارحین کی بعض ترجیحات بھی مختصراً مذکور ہوئی ہیں۔

(۸) اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے رفع تعارض کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

(۹) اختلاف ائمہ اور امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کی ارجحیت کو حسب ضرورت ادلہ سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۱۰) یہ شرح مرقاۃ المفاتیح شرح عربی مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر لکھی گئی ہے، لیکن اختصار کے پیش نظر ان مباحث کو جو فہم مشکوٰۃ کیلئے لازم ہیں ان کے انتہائی مفید حصوں کو ہی شامل کتاب کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا اس سے فراغت کے بعد حدیث شریف کی اہم کتاب مسلم شریف کی شرح لکھ رہے تھے، لیکن عمر نے ساتھ نہ دیا، اسلئے مکمل نہ ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صلبی وروحانی اولاد کو توفیق ارزانی فرمائے تاکہ تکمیل ہو سکے۔ اور یہ اطلاع دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت مولاناؒ اپنے مرشد شیخ طریقت حضرت الہ آبادی

دامت برکاتہم کے ایماء پر مؤطا امام محمدؒ کی شرح لکھنے کا بھی عزم رکھتے تھے۔

اے بسا آرزوئے کہ خاک شدہ

اللہ تعالیٰ ان کتابوں کو ذخیرۂ آخرت بنائے اور ہم پسماندگان کو استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

اقتباس از انوار المصابیح: اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبض العلماء والی حدیث (جو شروع میں نقل کی گئی ہے) کی شرح آپ ہی کے قلم سے لکھی ہوئی پیش کروں تا کہ آپ حضرات کے سامنے ایک نمونہ آجائے۔

حل لغات: قبض۔ ہاتھ سے پکڑنا قبضہ میں لینا۔ انتزع الشی۔ چھیننا۔ اکھاڑنا۔ ضبط کرنا۔ سلب کرنا۔

تشریح وتحقیق: (عن عبداللہ بن عمرو) یہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ (ان اللہ لا یقبض العلم) علم سے مراد کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا اور ان سے متعلق دیگر علوم کا علم ہے۔ (انتزاعاً) یہ قبض کے معنیٰ میں مفعول مطلق ہے (ینتزعہ من العبد) یہ جملہ حالیہ ہے ابن ملک اور مطلب یہ کہ علم اس طور پر وہ قبض نہیں کرلے گا کہ اس کو بندوں کے درمیان سے آسمان کی طرف اٹھالے گا (ولکن یقبض العلم) علامہ قاریؒ نے کہا ای یرفعہ (بقبض العلماء) یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان سے علم کو اس طور پر اٹھالے گا کہ علماء دین کی یکسر وفات ہوجائے گی (حتی) یہ وہی حتی ہے جو جملہ پر داخل ہوا کرتا ہے اور یہاں وہ جملہ شرط وجزاء ہے یعنی (اذالم یبق عالما) یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بھی عالم کو باقی نہ چھوڑے گا۔ (یبق) البقیٰ یُبقی باب افعال سے یاء کے ضمہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اگرچہ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں باء اور قاف کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے اور پھر اس حالت میں عالما نہیں بلکہ عالم رفع کے ساتھ ہے اور اس شکل میں معنیٰ یہ ہوں گے ''یہاں تک کہ جب کوئی بھی عالم باقی نہ رہ جائے گا''۔ (اتخذ الناس رؤسا) لوگ خلیفہ، قاضی، مفتی، امام اور شیخ بنائیں گے (جھالا) جاہل لوگوں کو۔ یہ جَاھِل کی جمع ہے یعنی جس منصب پر وہ فائز ہوا اس میں وہ جاہل ہوگا۔ اور رؤسا

کے متعلق محدث نووی رحمہ اللہ نے فرمایا بخاری میں اس کو ہم نے اسی طرح پایا ہے یعنی ہمزہ کے ضمہ اور آخر میں تنوین کے ساتھ رأس کی جمع اور مسلم شریف میں یہ دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے، ایک تو یہی اور دوسرا رؤسا جو جمع رئیس کی ہے اور صحیح دونوں طرح ہے، البتہ پہلی شکل زیادہ مشہور ہے (فسئلوا فافتوا) ان سے پوچھا جائے گا تو وہ جواب دیں گے (بغیر علم) جبکہ وہ اس سے ناواقف ہوں گے، یعنی بلاعلم کے جواب دیں گے (فضلوا) پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور (اضلوا) دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے (متفق علیہ) اور اس کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (مرقاۃ)

(انوار المصابیح ج:۱، ص:۴۲۶)

اصلاحی تعلق: چونکہ اصلاح نفس ضروری ہے، اسلئے حضرت مولاناؒ کو بھی اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفس کا خیال دامن گیر تھا۔ اس سلسلے میں آپ کی نظر بصیرت اس ذات پر پڑی جو مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ کے روحانی جذب وجلال وعلمی فضل وکمال اور اصلاحی واحسانی علوم ومعرفت اور شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ کے احسانی حسن وجمال کے فیضان وعرفان کے امین ہیں، یعنی مرشدی شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم سے بیعت ہوئے، اور شیخ کے فیوض وبرکات سے خوب مستفیض ہوئے۔ ملاقات کیلئے کمزوری کے باوجود آتے رہتے تھے۔ مرشدی شیخ طریقت دامت برکاتہم بھی قدر کی نظر سے آپ کو دیکھتے تھے، اور آپ کی دعوت پر آپ کے قائم کردہ جامعہ تجوید القرآن فتحپور برابر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں بیان بھی فرماتے تھے۔ آپ کی فطری صلاحیتوں اور کمالات ومحاسن کی وجہ سے بیحد شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے، اور آپ کے تقویٰ وطہارت کو دیکھ کر آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

جب آپ کے رحلت فرمانے کی خبر آئی تو بہت مغموم ہوئے اور فرمایا کہ میں ایک مخلص دوست سے محروم ہوگیا، اور اسی کیفیت میں صبح کی مجلس میں جامع دعا

کرائی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

راقم الحروف کیلئے سعادت: حضرت مولانا سے راقم السطور کی دید وشنید دیرینہ تھی۔ یعنی ۱۹۸۹ء میں جب یہ حقیر مدرسہ عربیہ بیت المعارف میں مدرس ہوا، اس وقت حضرت مولانا مرحوم بحیثیت ممتحن تشریف لاتے تھے اور یہ سلسلہ برابر ابھی حال تک چلتا رہا، چونکہ حضرت مولانا کو اس مدرسہ سے بیحد محبت تھی۔ ہر موقع پر گرتے پڑتے تشریف لاتے تھے۔ اس حقیر سے بھی بہت محبت فرماتے تھے اور شفقت کا معاملہ فرماتے تھے۔ یہ حقیر بھی آپ کے اخلاق وکردار، خوش دلی اور لطیف الطبعی سے کافی متأثر ہے، اور علمی فضل وکمال کا معترف ہے، اور شکر گذار بھی ہے کہ جب بھی انوار المصابیح وغیرہ کی کوئی جلد زیور طباعت سے آراستہ ہوتی تو حضرت مولاناؒ خود عنایت فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ تم حقدار ہو، اسی سے مطالعہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے، اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے، آمین۔

وماذالک علی اللہ بعزیز۔

حضرت مولانا قاری سید محمد احسن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت مصنف

از۔ مولانا عبدالمعید صاحب قاسمی
صدر جمیعت العلماء، فتح پور

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، یہ ایسا قانون قدرت ہے جس کا مصداق ہر ذی روح کو بننا ہے۔ ہمارے مخدوم محترم، شفیق سرپرست، استاذ العلماء، عالم ربانی، ناچیز کے والد محترم مولانا عبدالحفیظ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص رفیق وصدیق حضرت مولانا قاری سید محمد احسن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی حیات مستعار کے ایام پورے کر کے اس دنیائے فانی سے 7/فروری 2022 کو رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موت وحیات کے تعلق سے آئین خداوندی اپنی جگہ کہ نوید حیات کے ساتھ پروانہ اجل ہم آمیز ہوتا ہے، لیکن یہ بھی اسلوب فطرت ہے کہ دنیا سے جانے کا درد اور سر سے سایہ اٹھ جانے کا قلق بہت شدید ہوتا ہے۔ خاص کر وہ ہستیاں جن کی جگہ کا پر ہونا اور خلا کا بھر پانا مشکل ہوتا ہے۔ انہیں بافیض اور دیدہ ور ہستیوں میں حضرت مولانا قاری سید محمد احسن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی تھی۔ فیاض ازل نے انہیں بہت سی خوبیوں اور نعمتوں سے نوازنے کے ساتھ طویل زندگی بھی عطا فرمائی۔ انہوں نے بھی اس نعمت حیات کی خوب خوب قدردانی کی اور ایک شاندار اور بھرپور بامقصد زندگی گزاری، جو قابل قدر بھی ہے اور لائق تقلید بھی۔ وہ اپنے پیچھے اپنی زندگی، شخصیت، علمیت اور خدمت کا انمٹ عکس ونقش چھوڑ کر گئے ہیں، جو نہ صرف ان کے بھرے پرے گھر خاندان والوں کے لئے قابل فخر وراثت ہے، بلکہ ان کے ان ہزاروں ہزار فیض یافتگان اور وابستگان کے لیے بھی یادگار اثاثہ ہے جو ملک وبیرون پھیلے ہوئے ہیں۔

وہ ہمہ جہت شخصیت اور متنوع صفات کے مالک تھے۔ ان کے ایک سراپے میں بہت سے سراپوں کی جلوہ گری اور ہر جلوہ میں ندرت وانفرادیت کی آب وتاب تھی۔ ان کے پڑھنے کے ساتھی اور بچپن کے دوست ان کی نوخیزی اور نوجوانی کی

سرگرمیوں کے بارے میں جو کچھ بتاتے ہیں اس کا ماحصل یہ ہے کہ ان کی خوبیوں اور ذوق وشوق میں ندرت کے ساتھ تنوع بھی تھا۔ وہ پڑھنے میں طاق تھے تو کھیل کود میں بھی ماہر تھے، وہ تکرار ومطالعہ کے رسیا تھے تو دوستوں اور ساتھیوں کی ٹولیوں میں جان محفل تھے۔ اساتذہ کو ان پر ناز تھا تو رفیقان درس کو فخر تھا۔ خلاصہ یہ کہ ان کا دماغ روشن، دل آباد، ذہن شاد کام تھا جس میں میں زندگی کی مسرت خیزیاں بھی تھیں، علوم و فنون کا نور و وقار بھی تھا، تعلیم وتدریس اور تربیت وتزکیہ کی ہما ہمی بھی تھی، دعوت و اصلاح، تحریر وتقریر اور تصنیف وتالیف کی سرگرمیاں بھی تھیں۔ جب انہوں نے نصابی تعلیم کی تکمیل کے بعد عملی میدان میں قدم رکھا تو ان متنوع خوبیوں کی جلوہ گری اس طرح ہوئی کہ وہ قرطاس وقلم کے خوگر تھے تو تربیت اولاد، تزکیہ نفوس اور تدبیر منزل میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، وہ بافیض مدرس اور شفیق مربی تھے تو کامیاب مدبر و منتظم بھی تھے، وہ ماہر تعلیم تھے تو مکاتب ومدارس کے قیم اور بانی بھی تھے، وہ زمانہ شناس اور اس کے نت نئے تقاضوں کے شناور تھے تو قدیم روایات کے حامل اور اس کے پاسبان بھی تھے، وہ ایک طرف مجلس نشیں اور میر محفل نظر آتے تھے تو دوسری طرف خلوت آرائی کے بھی خوگر تھے، ان کے دن ہما ہمی میں گذرتے تو راتیں گریہ و زاری اور آہ سحر گاہی سے آباد ہوتی تھیں۔ ان سب کے ساتھ انہوں نے ادارہ جات کی تنظیم وتنسیق اور افراد سازی کے ہمہ گیر کام کو جس خلوص اور مداومت کے ساتھ انجام دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ذہنی وفکری استحکام اور علمی وعملی مداومت اور تسلسل ان کا ایسا امتیاز و اختصاص ہے جس کی وجہ سے وہ سلطان پور، مریاڈیہہ الہ آباد، اور اپنے ضلع فتح پور، جہاں بھی رہے اپنا بھرپور عکس ونقش قائم کرنے میں کامیاب رہے۔ ان کی تصنیفات، تسویدات اور مضامین بھی ان کے تبحر علمی اور عزم بالجزم کا مظہر ہیں۔ وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کی تصنیفات وتالیفات "نوادرات سیرت، انوار الحدیث شرح الفیۃ الحدیث، انوار المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح گیارہ جلدیں، نغمہ حرم مجموعہ نعت ومنقبت اور انوار المسلم شرح صحیح مسلم بشکل مسودہ" ہمارے درمیان ہیں۔ ان کتابوں کے توسط سے ان کی "ذہنی آواز" ہمارے درمیان موجود رہ کر قارئین کے دل

ودماغ کو علمی تب وتاب عطا کرتی رہے گی۔ ان کی تصنیفات میں قاری کے لیے فکری اقدار اور ذہنی مسرت کا بڑا سامان ہے۔ جو سادگی اور توانائی ان کے کردار میں پائی جاتی تھی وہی اُن کی تحریروں میں بھی موجود ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ ان کی شخصیت کا امتیاز واختصاص ان کا خلوص اور ان کی انفرادیت تھی۔ اسی نکھری ہوئی انفرادیت اور گونجتی ہوئی شخصیت کی صدائے بازگشت ان کی تصنیفات میں بھی نمایاں ہے۔ یہ رنگ و آہنگ ان کی کتابوں کو انفرادیت عطا کرتی ہے کہ یہ کتابیں اردو مطبوعات اور فہرست کتب میں صرف اضافہ یا محض قلم وقرطاس اور حروف ونقوش کا مجموعہ نہیں، بلکہ ان میں مولف کے ادراکات واحساسات کے لہو کی نمود، سطر سطر میں ایک داعی کا دھڑکتا ہوا دل، ایک مصلح کا کرب اور منزل تک پہونچنے و پہونچانے کی حدی خوانی کی لے صاف سنائی اور دکھائی دیتی ہے۔

نوادرات سیرت" جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے بحر بے کراں سے چنے گئے آب دار موتیوں کا گنجینہ اور انمول احوال وواقعات، عادات و اخلاق کا حسن انتخاب ہے، اس میں مؤلف نے "فوائد ونتائج" کے تحت قارئین کو سیرت پاک کے آب زلال سے سرشار کرنے اور حیات طیبہ کے ملکوتی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ایک پرکشش اور پرخلوص کوشش کی ہے۔ اس کے لئے جو اسلوب بیان، طرز تحریر، جملوں کی ساخت، الفاظ کا دروبست ہے اس سے صاف عیاں ہے کہ یہاں عقل ودماغ پر عشق ودل کا غلبہ ہے اور سید الانبیاء کا ایک عاشق زار اپنے قارئین کو اسی عشق وعقیدت کے رنگ میں رنگنے اور "اسوہ حسنہ" کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے بے کل ہے۔ اس کے لئے اس نے صفحہ قرطاس پر صرف روشنائی نہیں بکھیری بلکہ دل کی قاشیں اور خون جگر بھی نکال کر رکھ دیا ہے۔ عالمانہ ومحققانہ اسلوب کے ساتھ عشق ومحبت میں ڈوبی ہوئی اور دل کے تاروں کو چھوتی ہوئی زبان اور انداز بیان اس کتاب کی اہم خصوصیت ہے۔ دراصل جن نغموں میں خون جگر کی آمیزش ہوتی ہے ان کا رنگ وآہنگ قائم ودائم رہتا ہے۔ مولانا مرحوم کی تالیفات بھی گردش لیل ونہار کے باوجود حساس دلوں کی دہلیز پر دستک دیتی رہیں گی۔ الفیۃ الحدیث اور مشکوۃ المصابیح جیسی مشہور زمانہ اور مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل

حدیث کی ان دو کتابوں کی ضخیم اور متعدد جلدوں پر مشتمل مطبوعہ اردو شرح" انوار الحدیث اور انوار المصابیح" کی اپنی انفرادیت اور افادیت ہے۔ یہ محض اردو شروحات کے ذخیرہ میں اضافہ یا شارحین حدیث میں شمولیت کی کوشش نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو ان کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو کر مقبول خاص و عام نہ ہوتے۔ ان شروحات میں ترجمہ نگاری کا ایسا فطری انداز اختیار کیا گیا ہے جو سادہ، عام فہم اور اصل عربی متن کے عین مطابق و قریب تر ہونے کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی شیرینی و روانی کو بھی سمیٹے ہوئے ہے۔ کتاب میں ترجمہ کے بجائے ترجمانی، یا تحت اللفظ خشک ترجمہ نگاری سے احتراز کیا گیا ہے۔ کیوں کہ یہ انداز نو آموز طالبین و متعلمین کے لیے چنداں مفید نہیں ہے۔ مولانا مرحوم کے یہاں ترجمہ کے مذکورہ حقیقی اسلوب کی شروع سے آخر تک نہایت شدت سے پابندی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مسلم شریف کی زیر تالیف شرح انوار المسلم" کے تعلق سے راقم الحروف کو عملی تجربہ ہوا ہے۔ وہ با اصرار ترجمہ نگاری کے اس اصول پر قائم تھے کہ ترجمہ کے عنوان کے تحت ترجمہ ہونا چاہئے، مزید اور کچھ نہیں، "مزید اور کچھ" ناگزیر ہو تو وہ قوسین میں ہوتا کہ اصل اور زائد کا فرق واضح ہو۔ اسی طرح "حل لغات" کے تحت الفاظ کے وہی معانی درج کئے گئے ہیں جو مراد ہیں۔ مزید معانی اسی وقت درج کئے جاتے جب وہ مراد کو واضح کرنے میں معین ہوتے۔

تشریح" کے تحت ضروری مباحث و مسائل کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ رطب و یابس کی شمولیت یا اپنی علمیت اور وسعت نظر کے مظاہرہ سے گریز کیا گیا ہے۔ دقیق الفاظ اور بھاری بھر کم جملوں کے استعمال کے بجائے سادہ و عام فہم اسلوب کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہ انداز طلباء کی ذہنی ساخت اور افہام و تفہیم کے تئیں ان کی سہولیات کے پیش نظر اختیا کیا گیا ہے۔ وہ ان شروحات میں بھی ایک مصنف و مؤلف کے ساتھ ساتھ طلباء کے مزاج شناس مشفق استاذ اور منجھے ہوئے مدرس نظر آتے ہیں۔ وہ نصف صدی سے زائد عرصے تک تعلیم و تربیت، درس و تدریس اور تقریر و تلقین کے ذریعہ فیض رسانی کی جس خدمت کو انجام دیتے رہے، وہ سلسلہ ہنوز ان کی تصنیفات و تالیفات کے توسط سے قائم و دائم ہے۔ وہ ہمارے درمیان موجود نہ ہوتے

ہوئے بھی موجود اور مسند نشیں نہ ہوتے ہوئے بھی جلوہ آرا ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اسلوب خواہ وہ تحریر کا ہو یا تقریر کا، ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے انسان اپنی شخصیت کا اثر دوسروں پر ڈالتا ہے۔ یعنی جب وہ بولتا یا لکھتا ہے تو اس کا ذہن اور مزاج الفاظ وعبارات میں منتقل ہو جاتے ہیں اور اس کی شخصیت اثر اندازی کا اپنا عمل شروع کر دیتی ہے۔ مولانا مرحوم نے زبان وقلم کا بھرپور اور برمحل استعمال کیا ہے اور اپنے پیچھے ایک پرتاثیر تحریر کا ذخیرہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ ان کی تصنیفات وتالیفات کے پرتاثیر ہونے کا اصل سبب ان کے اشہب قلم کی روانی سے زیادہ ان کی حق پسندی، حق شناسی اور حق گوئی ہے۔ وہ ایک حق سرشت وحق نوشت انسان تھے اور جس طرح تلوار کی کاٹ دھار میں نہیں بلکہ صاحب تلوار کے بازو میں ہوتی ہے۔ اسی طرح کلام کی تاثیر صاحب کلام کے حق پسند دل اور حق گو زبان میں ہوتی ہے۔ ہمارے مخدوم و ممدوح بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی انسان تھے، فرشتے نہیں تھے۔ انسان سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور اس میں خامیاں بھی ہوتی ہیں۔ اختلاف اور کمی بیشی کی گنجائش ہر جگہ کی طرح یہاں بھی موجود ہے، لیکن ان کو قریب سے دیکھنے سننے اور جاننے والوں میں سے ہر ایک، خواہ وہ ان کا ہم نوا وہم خیال ہو یا نہ ہو، یہ کہنے پر مجبور ہے کہ وہ جس بات کو صحیح سمجھتے اسی کے طرف دار اور علم بردار ہوا کرتے تھے۔ کوئی چیز ان کو حق بات کہنے سے روک نہیں سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے قلم اور زبان کا استعمال، ستائش کی تمنا، صلہ کی پرواہ، عہدہ کی طمع سے اوپر، بہت اوپر اٹھ کر مومنانہ شان وفراست اور پوری جرات و بے باکی کے ساتھ کیا ہے۔ ایسے غیور اور باحمیت صاحب قلم وعالم ربانی کی تصنیفات وتالیفات اور خدمات کے سلسلے میں ہم پرامید ہیں کہ دن بدن ان کی آب وتاب میں اضافہ اور خیر وبرکات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا۔ ان کی یہ کتابیں، ایک حق پسند، حق شناس، حق گو، حق نوشت اور حق سرشت صاحب قلم اور عالم باعمل کی یاد دلاتی رہیں گی۔

گلشن احسن کے پھول اور کلیاں

از:۔ عبدالکبیر فاروقی لکھنو

ابتدائے آفرینش سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا سب سے آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمی نبی بنا کر مبعوث فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور زبان رسالت سے وہ ذمہ داری جو انبیاء کرام کی ہوا کرتی تھی اسکو یہ کہتے ہوئے علماء کے کاندھوں پر ڈالی گئی اَلعلماء ورثۃ الانبیاء اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کیلئے دورِ اول ہی سے صحابہ نے بیڑا اٹھالیا پھر یہ سلسلہ چلتے چلتے اب اس قرب قیامت میں جو کہ قحط الرجال کا زمانہ ہے علماء ربانییّن کے کاندھوں پر آیا اور مسلسل وہ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کیلئے کوشاں ہیں انھیں علماء میں سے ایک کا نام نامی اسم گرامی حضرت مولانا قاری محمد احسن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جنکی پوری زندگی جہد مسلسل سے پُر ہے انکی ہر میدان میں بے شمار خدمات ہیں جنکا صلہ اب انکو خداوند قدوس کے حضور حاضری کے وقت میسر ہوگا جس سے انکی روح شاد وآباد ہوگی اللہ تعالیٰ انکو درجات عالیہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے۔

ولادت: آپکی ولادت ۲۴ ردسمبر ۱۹۳۴ء کو ایک ایسے وقت ہوئی جبکہ انگریزی حکومت بالکل آخری سانسیں لے رہی تھی اور آزادی کا بگل بجنے والا تھا ایک ایسی بستی ماتن پور میں ہوئی جسکو تین طرف سے کھیت اور باغات گھیرے ہوئے ہیں اور بائیں جانب سے دریائے گنگا اپنی موجوں کی طغیانی کے ساتھ بہہ رہا ہے جسکی وجہ سے آب وہوا بہت خوشگوار اور پُر بہار ہے آپ کے والد گرامی محمد حسین مرحوم بڑے ہی متقی اور پرہیز گار تھے اور دینداری انکی سرشت میں داخل تھی جسکی وجہ سے انھوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت خالص دینی کی اور آپ کی بسم اللہ گھر سے ہوئی پھر کچھ مکتب کی تعلیم اوحد پور میں حافظ سلیم اللہ صاحب کے پاس ہوئی۔ آگے کی تعلیم کیلئے فتح پور آئے یہاں مدرسہ اسلامیہ جو مولانا ابرارالحق صاحبؒ، قاری صدیق صاحبؒ اور قاری محمود علی شاہجہانپوری جیسے نابغہ روزگار افراد کا مسند درس رہا۔ اس سے

گلشن احسن کے پھول اور کلیاں

از:۔ عبدالکبیر فاروقی لکھنو

ابتدائے آفرینش سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا سب سے آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمی نبی بنا کر مبعوث فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور زبان رسالت سے وہ ذمہ داری جو انبیاء کرام کی ہوا کرتی تھی اسکو یہ کہتے ہوئے علماء کے کاندھوں پر ڈالی گئی ﴿اَلعلماء ورثۃ الأنبیاء﴾ اوراس ذمہ داری کی ادائیگی کیلئے دورِ اول ہی سے صحابہ نے بیڑا اٹھالیا پھر یہ سلسلہ چلتے چلتے اب اس قرب قیامت میں جو کہ قحط الرجال کا زمانہ ہے علماء ربانیین کے کاندھوں پر آیا اور مسلسل وہ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کیلئے کوشاں ہیں انھیں علماء میں سے ایک کا نام نامی اسم گرامی حضرت مولانا قاری محمد احسن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جنکی پوری زندگی جہد مسلسل سے پُر ہے انکی ہر میدان میں بے شمار خدمات ہیں جنکا صلہ اب انکو خداوند قدوس کے حضور حاضری کے وقت میسر ہوگا جس سے انکی روح شاد وآباد ہوگی اللہ تعالیٰ انکو درجات عالیہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے۔

ولادت: آپکی ولادت ۲۴ ردسمبر ۱۹۳۴ء کو ایک ایسے وقت ہوئی جبکہ انگریزی حکومت بالکل آخری سانسیں لے رہی تھی اور آزادی کا بگل بجنے والا تھا ایک ایسی بستی ماتن پور میں ہوئی جسکو تین طرف سے کھیت اور باغات گھیرے ہوئے ہیں اور بائیں جانب سے دریائے گنگا اپنی موجوں کی طغیانی کے ساتھ بہہ رہا ہے جسکی وجہ سے آب وہوا بہت خوشگوار اور پُر بہار ہے آپ کے والد گرامی محمد حسین مرحوم بڑے ہی متقی اور پرہیزگار تھے اور دینداری انکی سرشت میں داخل تھی جسکی وجہ سے انھوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت خالص دینی کی اور آپ کی بسم اللہ گھر سے ہوئی پھر کچھ مکتب کی تعلیم اوحد پور میں حافظ سلیم اللہ صاحب کے پاس ہوئی۔ آگے کی تعلیم کیلئے فتح پور آئے یہاں مدرسہ اسلامیہ جو مولانا ابرارالحق صاحبؒ، قاری صدیق صاحبؒ اور قاری محمود علی شاہجہانپوری جیسے نابغہ روزگار افراد کا مسند درس رہا۔ اس سے

استفادہ کیا پھر کانپور کی جانب رخت سفر باندھا اور مشہور و معروف اساتذہ سے کسب فیض کیا جنمیں سرفہرست مفتی محمود حسن صاحب اور مفتی منظور صاحب تھے لیکن ایک علم کے طالب کا سفر کبھی تھمتا نہیں ہے وہ مہد سے لحد تک علم کیلئے سرگرداں رہتا ہے آپ بھی انھیں لوگوں میں سے تھے کانپور کے بعد از ہر ہند دارالعلوم دیوبند پہونچے اور وہاں بخاری شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مراد آبادی سے پڑھی ۔ دوسرے اساتذہ سے استفادہ کیا اور دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی پھر علمی و تدریسی خدمات میں ہمہ تن گوش مصروف ہو گئے قرآن وحدیث کی ایسی عزت اور چاشنی انکو حاصل ہوئی کہ وہ تادمِ آخر اسی مشغلہ کو اوڑھنا بچھونا بنائے رہے اور اسی میدان اور کار خیر کیلئے انھوں نے اپنے نوشگفتہ پھولوں کو تیار کیا جنکا تذکرہ اب ہم مفصل کرتے ہیں۔

آل اولاد : اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں قاری صاحب کو اپنے بہت سے عظیم انعامات سے نوازا تھا وہیں انکو اولاد صالح سے بھی مالا مال فرمایا تھا انمیں سب سے بڑی بیٹی عارفہ عرف ریحانہ ہیں انکی ولادت ماتن پور میں ۱۹۶۱ء میں ہوئی قاری صاحب کے زیر سایہ وہ پروان چڑھیں پرائمری تک تعلیم ہوئی جو کہ اُس زمانہ میں اعلیٰ تعلیم سمجھی جاتی تھی نہایت ہی دیندار کامیاب مُعلمہ اور اعلی قسم کی پرہیز گار ہیں انکا پہلا عقد انکے پھوپھوزاد بھائی مولانا احمد حسن قاسمی کے ساتھ ہوا۔ عدم توافقِ طبع کیوجہ سے چند سالوں کے بعد علاحدگی ہوگئی ان سے اللہ نے انکو تین بیٹے دیئے جنمیں بڑے اسد حسن تھے انکا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا اور دوسرے ابوالحسن ہیں جو کہ ماشاء اللہ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں اور کانپور شہر میں جامعہ امّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضا اللہ عنہ جو کہ لڑکیوں کا ایک معقول و کامیاب ادارہ ہے انکے ناظم ہیں اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں، تیسرے غزالی تھے جو جنونی کیفیت کی وجہ سے غائب ہو گئے اور اس وقت سے آج تک گھر واپس نہیں آئے ، چوتھے نمبر پر اللہ نے انکو ایک بیٹی سے نوازا جسکا نام اُمّ رومانہ ہے، انکی بھی شادی ہو چکی ہے اور وہ ماشاء اللہ عالمہ ہیں۔ علاحدگی کے بعد انکا دوسرا عقد ہاپوڑ کے مشہور

عالم مولانا فخر الدین صاحب قاسمی کے ساتھ ہوا۔

دوسری صاحبزادی تاصرہ خاتون عرف رخسانہ ہیں۔ جنکی ولادت ۱۹۶۵ء میں ماتن پور میں ہوئی۔ والد کے زیر سایہ مدرسہ انوار العلوم میں داخل ہوئیں جسکے ناظم خود قاری صاحب تھے پرائمری کی تعلیم اسی مدرسہ میں ہوئی اسکے بعد تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا والدین کے زیر سایہ پروان چڑھتی رہیں جب اپنی عمر کے بیسویں سال میں داخل ہوئیں تو حضرت قاری صاحب کے ہر دلعزیز دوست حضرت مولانا عبد الاول صاحب فاروقی جو کہ اسوقت لکھنو میں مقیم تھے۔ دونوں حضرات کی انتھک محنتوں اور کاوشوں سے جامعہ اسلامیہ سلطانپور کا قیام ہوا اسکی تعمیر ترقی میں دونوں شانہ بشانہ چلتے رہے انہوں نے اپنے بڑے بیٹے مولانا عبد الباقی فاروقی کے نکاح کا پیغام دے دیا (جن کو اللہ نے بے پناہ خوبیوں سے نوازا تھا وہ عالم باعمل تھے انکی ولادت سن ۱۹۵۷ء میں ہوئی اور تعلیم کی ابتدا اسوقت ہوئی جب امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبد الشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا اخیر دور تھا بزرگوں کے زیر سایہ انکی تربیت ہوئی تعلیم کا سلسلہ گھر سے شروع ہوا پھر وہ کچھ دنوں کیلئے جونپور تشریف لے گئے پھر وہاں سے دار العلوم دیوبند کا رخ کیا جہاں انھوں نے حضرت مولانا فخر الدین صاحب سے بخاری شریف پڑھی فراغت کے بعد کچھ دنوں چکمنڈی کے ایک مدرسہ میں پڑھایا پھر سن ۱۹۹۳ء میں سرکاری ملازمت سے وابستہ ہوگئے جو تادم آخر چلتی رہی) جنکو قاری صاحب نے برضا و رغبت قبول فرمالیا ایک دن ہمارے خاندان کے اکابر کی موجودگی میں یہ نکاح پایہ تکمیل کو پہونچ گیا۔ اسطرح دو خاندانوں کے دوستانہ تعلقات رشتہ داریوں میں تبدیل ہوگئے اور سلطانپور شہر سادات اور فاروقی خاندان کا سنگم بن گیا قاری صاحب کی بیٹی یعنی ہم سب کی امی ہمارے خاندان کی ایک اچھی اور صالح بہو ثابت ہوئیں اور یہ سب انکے والد ماجد کی تربیت کا اثر تھا جسکا ہم سب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں انکو قرآن مجید سے بے انتہا شغف ہے ہم سب یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کا اچھا خاصہ حصہ انکو زبانی یاد ہے اور یہی خاندان کی خواتین کا طرز عمل رہا ہے، نہایت ہی دیندار صوم وصلوٰۃ کی

پابند مہمان نواز اور بیسوں خوبیوں کی مالک ہیں اللہ انکو صحت و عافیت سے رکھے ابتدائی زمانہ نہایت عسرت سے گزرا۔ پھر اللہ نے فراوانی سے نوازا جب پریشانی رہی تو صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور جب راحت حاصل ہوئی تو شکر خداوندی کے ساتھ رہیں لیکن انکی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ یہ پیش آیا کہ انکے عزیز شوہر یعنی ہم سب کے ابّو ابھی تقریباً چار سال پہلے چند مہینے علیل رہ کر ۲۵ر جنوری ۲۰۱۸ء کو سب کو چھوڑ کر دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے اللہ انکو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور انکو قبر میں کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے، اللہ نے تین بیٹیاں اور دو بیٹے عطا فرمائے ماشاء اللہ سب بیٹیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں جنمیں سے سب سے بڑی زنیرہ فاروقی ہیں جنکا عقد حضرت مولانا عبد السلام صاحب فاروقیؒ کے نواسے حافظ محمد طلحہ کے ساتھ ہوا اور ماشاء اللہ انکی ایک بیٹی خُلدیٰ اور دو بیٹے احمد اور حماد ہیں۔ دوسرے بیٹی مُنیرہ فاروقی ہیں۔ جنکا عقد مجھ سیہ کار راقم السطور کے ساتھ ہوا اللہ نے ہمکو بھی ایک بیٹی امّ حبیبہ فاروقی اور ایک بیٹا عبد الرب فاروقی عطاء فرمایا، اور تیسری بیٹی بشیرا فاروقی ہیں جنکا عقد فتحپور کے ایک دیندار گھرانے کے فرد ڈاکٹر محمد ظفر صاحب کے بیٹے فہیم الظفر کے ساتھ ہوا، انکو بھی اللہ نے دو بیٹیاں دیں جنمیں بڑی بشریٰ اور چھوٹی عائشہ ہے۔ دونوں بیٹے تینوں بہنوں سے چھوٹے ہیں جنمیں بڑے مولوی عبد الرازق سلمہٗ ہیں جو باقاعدہ دار العلوم ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہیں اور اپنے والد کی جگہ پر سرکاری ملازمت کر رہے ہیں اور دوسرے مولوی عبد الرشید فاروقی سلمہ ہیں جو دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد خواجہ معین الدین چشتی، یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں اللہ انکو بھی خوب ترقیات سے نوازے، اللہ امّی کا سایہ ہم پر سلامت رکھے اور انکو درازی عمر عطا فرمائے۔ آمین

مولانا محمود حسن غازی قاسمی : قاری صاحبؒ کے سب سے بڑے بیٹے ہیں جنکی ولادت سلطانپور میں ایک جولائی ۱۹۶۷ء میں ہوئی ابتدائی تعلیم نانا (قاضی انور علی صاحب جو ایرائیں کے رہنے والے تھے بعد میں دریاپور منتقل ہو

ئے تھے) کے پاس ہوئی جب آٹھ سال کے ہوئے تو پرائمری کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی فوراً حفظ قرآن کا سلسلہ شروع ہوا۔ حفظ کی تکمیل ۱۰ سال کی عمر میں ہوئی پھر عصری تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور ہائی اسکول کیا۔ علم کا مسافر کبھی تھکتا نہیں ہے۔ ہائی اسکول کے بعد حیدرآباد اور مدراس کا رخ کیا دارالعلوم سے ۱۹۸۹ء میں فراغت ہوئی، بعد فراغت مریاڈیہہ الہ آباد میں ایک سال درس وتدریس میں مصروف رہے ۔ پھر بغرض تجارت بمبئی کے لئے رخت سفر باندھا اور وہاں تین سال گزارے پھر ۳؍سال حیدرآباد میں گذار کر امبیڈکر یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ اسی کے بعد الہ آباد واپس ہوئے اور یہاں درس وتدریس سے وابستہ ہوئے جسمیں تاحال لگے ہوئے ہیں مزید یہ کہ مذہب اسلام کی نشر واشاعت اور غیروں تک اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے میں کوشاں ہیں۔ بزم پیغام وحدانیت کے صدر ہیں۔ ائمہ کرام کا جو استحصال اس زمانہ میں ہو رہا ہے اس کو روکنے کیلئے اور انکا حق دلانے کیلئے ایک تنظیم، تنظیم الائمہ الہ آباد قائم کی ہے۔ ابتدائی اور بنیادی تعلیم کیلئے تنظیم المکاتب کی بنیاد رکھی جس کے تحت تقریبا بیس (۲۰) مکتب چلتے ہیں، کالج کے طلباء کیلئے ایک سالہ قرآن فہمی کا کورس شروع کیا ہے جسمیں ماشاءاللہ وہ کامیاب ہیں۔ یہ عصری تعلیم والے بچوں کیلئے بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کئی اداروں کے ذمہ دار ہیں۔ جامعہ تجوید الفرقان فتح پور کے صدر ہیں، مسجد کوتوال میں خطابت وامامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، الحسنہ اسلامک اسکول الہ آباد کے نائب منیجر ہیں۔

تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ پیش پیش ہیں بہت سے قیمتی کتابچے امت کی رہنمائی کیلئے تیار کئے، عبرت انگیز واقعات، اسلامی نظام زندگی، اہم اسلامی معلومات، طریقہ نماز، وہ چار مسئلے جنھوں نے امت کو توڑ دیا۔ تین طلاق عقل ونقل کے آئینہ میں، شیعیت عقل ونقل کی روشنی میں، سنیت علماء بریلویت کی

نظر ہیں، تقلید نفع ونقصان کے آئینے میں، اور دیگر کتابچے بھی ہیں جن سے لوگ استفادہ کر سکتے ہیں۔ اللہ نے آپکو پانچ بیٹے عطا فرمائے ہیں۔ جنمیں سے سید مسعود حسن ہیں اور دوسرے سعود حسن ہیں یہ دونوں ماشاء اللہ حافظ اور دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں اور عصری تعلیم میں بھی ماشاء اللہ فائق ہیں اور انجینئر ہیں۔ اور تین بیٹے اسعد حسن طلحہ اور سعید حسن عاصم اور ھادی حسن یہ تینوں بچے زیر تعلیم ہیں۔

مولانا سید حسنین احمد حجازی : یہ قاری صاحب کے دوسرے بیٹے ہیں انکی ولادت شہر سلطان پور میں ۱۱/نومبر ۱۹۷۰ء کو ہوئی ابتدائی تعلیم والد محترم کی سرپرستی میں ہوئی، پھر قرآن مجید حفظ کیا اور قرأت کی کتابیں پڑھیں پھر اعلی تعلیم کیلئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور دورۂ حدیث سے ۱۹۹۳ء میں فراغت حاصل کی ،بعد فراغت درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے لیکن کچھ عرصہ بعد قطر چلے گئے، وہاں کچھ دن امامت سے وابستہ رہے لیکن اب باقاعدہ وہیں اپنی تجارت میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ نے انکو تین بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی ہے جنمیں بڑے سید سعدین قاسمی ہیں جو باقاعدہ دارالعلوم سے فارغ ہیں اب وہ بھی قطر میں ہیں۔ دوسرے بیٹے سید عمار اور سید حسّان ہیں یہ دونوں ماشاء اللہ حافظ ہو گئے ہیں اور ایک بیٹی نجیبہ ہے یہ سب ابھی زیر تعلیم ہیں۔

عاقلہ عرف حسانہ: یہ اپنی دونوں بڑی بہنوں اور دو بھائیوں یعنی مولانا محمود حسن اور مولانا حسنین سے چھوٹی تھیں۔ سلطانپور میں ولادت ہوئی اچھی خاصی بڑی ہو گئی تھیں کہ اچانک ایک حادثہ پیش آ گیا کہ وہ چلی گئیں اور سارے خاندان خصوصا والدین کو چھوڑ کر داغ مفارقت دی گئیں۔

مولانا حمید حسن قاسمی : یہ قاری صاحب کے تیسرے بیٹے ہیں انکی ولادت ۴/اگست ۱۹۷۷ء میں ماتن پور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ

میں ہوئی بعد فراغت لکھنو یونیورسٹی سے عربی میں ایم۔اے۔کیا اور دیگر امتحانات دیئے۔ بنارس اور الہ آباد اور دیگر جگہوں پر درس وتدریس میں لگے لیکن جب جامعہ تجوید الفرقان فتح پور جنکے بانی خود حضرت قاری صاحب تھے قائم ہوا تو اس کے ہر طرح کے انتظام وانصرام میں وہ پیش۔ پیش رہے مکمل ذمہ داری کے ساتھ ہمہ تن مصروف رہے اور اب اس کے ناظم ہیں اور جمعیتہ علماء فتحپور کے نائب صدر ہیں اور خلیل نگر جامع مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، فتحپور میں ایک اسکول بھی قائم کیا ہے جو الاحسن اسلامی انگلش میڈیم اسکول کے نام سے موسوم ہے اس کے منیجر ہیں۔ انھوں نے اپنے والد محترم کی بے پناہ خدمت کی اللہ انکی خدمت کو قبول فرمائے اور انکو دنیا وآخرت دونوں جہان میں بہترین جزاء عطا فرمائے۔ان کے پانچ بیٹے ہیں، حماد حسن، حُمید حسن ھشام حسن، ماشاء اللہ یہ تینوں حافظ ہوئے ہیں۔عمر حسن، رُشید حسن ہیں یہ دونوں بچے زیر تعلیم ہیں۔

مستحسن شیرازی: یہ قاری صاحب کے چوتھے بیٹے ہیں انکی ولادت ۲۵/ مئی ۱۹۷۸ء میں ہوئی انکی تعلیم مکمل نہیں ہوسکی لیکن انھوں نے قرأت کی، باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے اور قرآن مجید بہت اچھا پڑھتے ہیں، یہ تقریباً (۱۰) دس سال سے سعودی عرب میں ہیں اور اس مبارک سرزمین میں بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں اور دیگر چیزوں میں مصروف ہیں۔ اللہ نے انکو خوب حج وعمرہ کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے۔انکا ایک بیٹا اُسید حسن ہے۔ یہ ماشاء اللہ حافظ ہو چکا ہے اور (۲) دو لڑکیاں ہیں جو زیر تعلیم ہیں۔

عائشہ عرف عرفانہ: قاری صاحب کی یہ سب سے چھوٹی بیٹی ہیں انکی ولادت اپریل ۱۹۸۴ء میں سلطانپور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم سلطانپور میں ہوئی اور پھر ہائی اسکول اور اردو سے معلم کیا، جب بڑی ہوئیں تو والد محترم نے انکا عقد

لال گنج کے راشد صاحب کے ساتھ کر دیا، لیکن قضا و قدر ہر چیز پر مقدم ہے ۲۰۰۸ء میں انکا انتقال ہو گیا، پھر دوسری شادی بھدوہی کے نصرت صاحب کے ساتھ ۲۰۱۰ء میں ہوئی، اللہ نے انکو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ بڑی حاضر جواب ہیں۔ بلکہ حاضر جوابی میں مشہور ہیں۔ اور ہر پیچیدہ مسئلہ کو آسانی سے حل کر دیتی ہیں۔ اللہ نے انکو ایک بیٹی آمنہ نصرت اور ایک بیٹا ہارون رشید دیا۔ دونوں ابھی زیر تعلیم ہیں۔

حضرت مولانا قاری سید محمد احسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تالیفات

(1) فاتحہ کا صحیح طریقہ

(2) نغمۂ حرم

(3) نوادرات سیرت

(4) انوارُ السنن

(5) انوارُ المصابیح

(6) انوار المسلم، شرح مسلم